دل اور......دل کا سکون

مولانا غیاث احمد رشادی

ناشر

مکتبہ سبیل الفلاح ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر اسوسی ایشن، رجسٹرڈ ۔ ٦٧٥
واحد نگر، قدیم ملک پیٹ، حیدرآباد،فون:24551314-040
ویب سائٹ:www.rashadibooks.com
ای میل:garashadi@gmail.com

مصنف سے تحریری اجازت کے بعد اس کتاب کی اشاعت کی اجازت ہے

کتاب	دل اور دل کا سکون
مؤلف	**مولانا غیاث احمد رشادی**
کمپیوٹر پروسس	محمد مجاہد خان
بمعرفت	رشادی کمپیوٹر سنٹر، قدیم ملک پیٹ، حیدرآباد
صفحات	﴿۴۸﴾
سن اشاعت	فروری ۲۰۰۵ء محرم الحرام ۱۴۲۶ھ
تعداد اشاعت	ایک ہزار
قیمت	Rs. 10/-

ناشر

مکتبہ سبیل الفلاح ایجوکیشنل اینڈ ویلفئر اسوسی ایشن، رجسٹرڈ۔ ٦٧٥

متصل مسجد الفلاح، واحد نگر، قدیم ملک پیٹ، حیدرآباد، انڈیا۔فون: 040-24551314

ویب سائٹ : www.rashadibooks.com

ای میل: garashadi@gmail.com

﴿ ملنے کے پتے ﴾

- مکتبہ سبیل الفلاح ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر اسوسی ایشن، رجسٹرڈ نمبر-٦٧٥، متصل مسجد الفلاح، واحد نگر، قدیم ملک پیٹ، حیدرآباد-
- ہندوستان پیپر ایمپو ریم مچھلی کمان، حیدرآباد-
- الاوراق پبلیشرز، کرما گوڑہ، حیدرآباد-
- کلاسیکل آٹوموٹیو، 324 C.M.H. Road، اندرانگر، بنگلور-
- ھدیٰ ڈسٹری بیوٹرس، پرانی حویلی روڈ، حیدرآباد-
- کمرشیل بک ڈپو، چارمینار، حیدرآباد-
- دکن ٹریڈرس، مغل پورہ، حیدرآباد-
- محمد مجاہد خان، نزد مسجد اکبری، اکبر باغ، ملک پیٹ، حیدرآباد، فون: 9985359583

فہرست مضامین

- پہلی بات
- دلوں کا سکون کہاں ہے؟
- سکون تلاش کرنے والو!
- ذکرِ الٰہی سے سکون کا کیا تعلق ہے؟
- اللہ تعالیٰ کا دل سے کیا تعلق ہے؟
- دل قرآن حکیم کی روشنی میں
- دل ہی کا اعتبار ہے
- ایمان کا تعلق بھی دل سے ہے
- اللہ تعالیٰ کو قلب سلیم اور قلبِ منیب مطلوب ہے
- مغرور دل پر مہر لگ جاتی ہے
- دل سے خالق دل کا تعلق
- تقویٰ کا تعلق دل سے اور دل کا تعلق اللہ سے ہے
- دل کا ٹیڑھا ہونا گمراہی کی علامت ہے
- عبرت وہی حاصل کرتا ہے جس میں دل ہو
- دل پر جب مہر لگ جائے
- دل کا اطمینان اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتے ہیں
- دل بیمار کب ہوتا ہے؟
- دلوں میں فرمانبرداری کا جذبہ ہو ضد نہ ہو
- دل ایمان سے مزین ہوتے ہیں
- دل بھی زنگ آلود ہوتے ہیں
- دل الفت ومحبت کا مرکز ہوتے ہیں
- دل اللہ تعالیٰ کے تصرف میں
- غافل دلوں سے دور رہیں
- قرآن مجید میں آپ ﷺ کے دل کا تذکرہ
- اصحاب کہف کے دل کی مضبوطی
- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل کی مضبوطی
- ایک سینہ میں ایک ہی دل
- دل کے اِرادہ سے جو گناہ ہوتا ہے
- رسولِ اکرم ﷺ کے دل پر قرآن مجید کا نزول
- دل کی سختی نہیں نرمی مطلوب ہے
- دلوں کی بات کون جانتا ہے؟
- مقصدِ بعثت میں دل کی پاکیزگی بھی ہے
- دل کی صفائی میں لاپرواہی کیوں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی بات

اگر ہم اور آپ اس حقیقت کا حقیقی جائزہ لیں تو کارآمد نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ خالقِ کائنات نے انسان کو اس فطرت اور طبیعت پر پیدا کیا ہے کہ جس مقصد کیلئے جس چیز کو پیدا کیا گیا ہے اس چیز کا مقصد پالینے کے بعد ہی انسان کو قرار آتا ہے، اور سکون نصیب ہوتا ہے، اس حقیقت کو مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے، آپ جنگل و بیابان میں بیٹھے ہوں اچانک آپ کو کوئی آواز سنائی دے تو آپ اس وقت تک بے چین رہتے ہیں جب تک کہ آواز کا مطلب نہ سمجھ جائیں اور اس آواز کے لگانے والے کو نہ جان لیں۔

چونکہ آواز کا مقصد ان الفاظ کا مفہوم ہے جو آواز کے پیچھے چھپا ہوا ہے، اس لئے جب مفہوم سمجھ میں نہ آجائے گا تو دل کو قرار ملے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہمارے سامنے گنگناتے ہوئے کوئی بات کہہ دے اور ہم کو سنائی نہ دے تو ہم اس وقت تک اسی سے پوچھتے رہتے ہیں جب تک وہ گنگنائی ہوئی بات نہ بتلا دے یہ ایک انسانی عادت وطبیعت کی پکار اور اس کا تقاضا ہے۔

اس سے پہلے کہ ہم اس مثال کے ذریعہ جس عظیم حقیقت کی طرف آپ کو لے جائیں اور بھی چند مثالوں کی مدد سے اس حقیقت کے قریب لے جانا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے جسم میں مختلف اعضاء دے رکھے ہیں انہی اعضاء کے مجموعہ کا نام ہماری کی شخصیت ہے، ان اعضاء میں سے ہر عضو کا الگ الگ مقصد ہے آدمی اپنی ضرورت اور تقاضے کے مطابق ان اعضاء کے ذریعہ ان مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہے، جب تک ان اعضاء کے مقاصد کی تکمیل ہوتی رہتی ہے آدمی مطمئن رہتا ہے اور جب اعضاء کے مقاصد کی تکمیل میں رکاوٹ ہوتی ہے وہ بے چین سا ہو جاتا ہے، مثلاً آنکھ ہی کو لیجئے اس کا مقصد دیکھنا ہے اگر کوئی شخص آپ کی آنکھ بند

کردے اور دیکھنے سے روک دے تو آپ تھوڑی دیر بمشکل خاموش رہیں گے پھر بے چین ہو جائیں گے اور جب تک آپ کی آنکھ اپنے مقصد میں نہ لگ جائے بے چین رہیں گے اور جب آپ دیکھنے لگیں تو مطمئن ہو جائیں گے، اس پر تمام اعضاء کو قیاس کیجئے۔

اسی حقیقت کے ساتھ یہ بھی جان لیجئے کہ تمام اعضاء کا مقصد ایک نہیں ہے، کان سننے کیلئے ہے تو ناک سونگھنے کیلئے، دانت چبانے کیلئے ہیں تو زبان چکھنے اور بولنے کیلئے، ہاتھ اشیاء کو پکڑنے اور چھوڑنے کیلئے ہیں تو پیر چلنے پھرنے کیلئے، بہرحال ہر عضو کا مقصد ضرور ہے۔

اور اس بات کے تسلیم کرنے میں دو رائے نہیں کہ دل تمام اعضاء کا حاکم اور بادشاہ ہے، اسی کے حکم سے سارے اعضاء اپنا اپنا کام کررہے ہیں، پورے جسم پر اسی کی حکمرانی ہے، دل میں آتا ہے تو زبان کہتی ہے، دل میں آتا ہے تو آنکھ دیکھتی ہے، دل میں آتا ہے تو کان سنتے ہیں، دل میں آتا ہے تو دانت چباتے ہیں، دل میں آتا ہے تو پیر حرکت میں آتے ہیں، تو دل گویا سارے اعضاء کا محور ہے جس کے گرد سارے اعضاء چکر لگاتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اس دل کی تخلیق (پیدائش) کا مقصد کیا ہے؟ اس کا جواب اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے جبکہ سارے اعضاء کو دل کے تابع کیا گیا ہے اور دل کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اس کو پہچانے جس نے اس کو پیدا کیا ہے، اور اس پہچان کے بعد وہ اسی کو پکارے، اسی کے حکم پر چلے، اسی کے اِشارہ پر رہے، اسی کی خوشنودی میں رہے، اسی کا غلام اور تابع فرمان بن جائے تاکہ بالواسطہ سارے اعضاء بھی اسی رب ذوالجلال کے غلام بن جائیں۔

اس طویل گفتگو کے بعد پھر اسی ابتدائی گفتگو کی طرف آیئے کہ جس طرح آنکھ جب دیکھتی ہے تو قرار آتا ہے، کان آواز کے مطلب کو جانتے ہیں تو قرار آتا ہے، دانت منہ میں رکھی گئی چیز کو چباتے ہیں تو قرار آتا ہے، اسی طرح دل کو بھی اسی وقت قرار آتا ہے جب اس دل کا مقصد پورا ہو جائے یعنی اس دل میں اللہ کی یاد آجائے اور وہ دل اپنے حقیقی خالق و مالک کو اپنی گہرائیوں سے پکار اٹھے اور اللہ اللہ کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

دل اور دل کے سکون سے متعلق چند اہم اور بنیادی باتیں آیاتِ قرآنی کی روشنی میں بتلانے کیلئے یہ چند اوراق لکھے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائے اور ہمارے دل کو اسی جانب

مائل فرمادے اور ہمارے دلوں میں سکون پیدا فرمادے۔آمین۔ **غیاث احمد رشادی**

دلوں کا سکون کہاں ہے؟

اب آپ نے سمجھ لیا کہ واقعی دل کو اسی وقت سکون مل سکتا ہے جب کہ وہ دل اللہ کی یاد سے بھر جائے ، جس طرح کسی کی آنکھ کوئی بند کردے اور آنکھ دیکھ نہ پائے تو بے چینی ہوتی ہے ، اسی طرح دل اگر اللہ کی یاد سے محروم ہوتا ہے تو وہ دل بے چین ہوتا ہے اس بے چینی کا واحد علاج یہی ہے کہ اس کو اللہ کے ذکر کی روشنی دی جائے ، جس طرح اندھیرے میں رہنے والا بے چین رہتا ہے اور روشنی میں آتے ہی اس کو قرار وسکون ملتا ہے اسی طرح جب تک دل اللہ کی یاد سے غفلت کی تاریکیوں میں رہتا ہے اس دل میں بے چینی اور بے قراری کے کانٹے چبھتے رہتے ہیں اور جب اس دل کو اللہ کی یاد میں مصروف رکھا جاتا ہے تو پھر چین وسکون کا لطف محسوس ہوتا ہے اسی لئے قرآن مجید نے ہراہل دل کو پکار کر دل کی دوا بتلادی کہ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب خبردار! اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

سکون تلاش کرنے والو!

کسی کی دوڑ اتنی محدود ہے کہ مال ودولت میں سکون تلاش کرتے ہوئے حصول مال ودولت کیلئے لگاتار محنت کرتا ہے مگر وہ اس محنتِ شاقہ کے باوجود سکون کو پانہیں سکتا۔

کسی کی فکر اس قدر اونچی ہے کہ وہ کسی فن اور ہنر میں سکون تلاش کرتے ہوئے شب وروز اسی میں صرف کررہا ہے مگر اس کا پسینہ رائیگاں جاتا ہے وہ سکون سے محروم نظر آتا ہے۔

کسی کی نظر اونچے اونچے بنگلوں اور آرامدہ مکانات کی طرف جاتی ہے کہ شاید یہاں سکون چھپا ہوا ہے مگر ان اونچے بنگلوں ، شاندار محلات اور آرامدہ مکانات میں بھی انہیں سکون کا سین بھی نہیں ملتا۔

کسی کی نظر نرم نرم بستروں اور مزیدار ولذت سے بھرے دسترخوانوں کی طرف جاتی

ہے مگر نرم بستروں میں وہ آگ کے شعلوں میں تڑپنے والے کی طرح سکون کی طلب میں کروٹیں بدلتا ہے مگر وہاں بھی اسے سکون نہیں ملتا اور مزیدار غذاوں سے سیراب ہونے کے باوجود سکون سے محروم نظر آتا ہے۔

کسی کی نظر بڑے بڑے عہدوں اور کرسیوں پر پڑتی ہے اس کو وہاں یہ امکان نظر آتا ہے کہ شاید یہاں سکون کی دولت مل جائے گی مگر وہاں پہنچ کر بھی اس کو سوائے بے چینی میں اضافہ کی مصیبت کے اور کچھ نہیں ملتا۔

مسجد میں بیٹھے تلاوتِ قرآن سے زبان کو تر کرنے والا دل میں جو سکون اور دماغ میں جو چین وراحت محسوس کر رہا ہے بھلا اس چین اور سکون کی کیفیت کو وہ تاجر کہاں محسوس کر پائے گا جو حرام وحلال کی تمیز کے بغیر بازاروں کے شور کے درمیان سیٹھ بنا بیٹھا ہو۔

اور جو شخص بوسیدہ مکان میں معمولی جانماز پر کھڑے ہو کر رات کی تاریکیوں اور تنہائیوں میں اللہ کی عبادت کا لطف لے رہا ہو بھلا ایسا سکون اس کو کہاں نصیب ہے جو اقتدار کی ہوس میں رات دن گلی گلی ووٹ کی بھیک مانگ رہا ہو۔

دنیا کی چمک دمک میں منہمک اور گم ہوجانے والے تاجروں، سائنسدانوں، سیاستدانوں، فلسفیوں اور عزت وشہرت کے بھوکوں اور مال ودولت کے پیاسوں کو کاش! اس سکون کی لذت اور طمانیت قلب کی کیفیت معلوم ہوجاتی ......

تو شاید ہر سائنسداں، ہر فلسفی، ہر تاجر، ہر سیاستدان، ہر عہدیدار اور ہر دنیادار رات کی بھرپور نیند سے بھی لطف اندوز ہوتا، اللہ کے حضور کھڑے ہونے کی کیفیت سے سرشار ہوجاتا اور دل کی دنیا کو سکون وقرار کی روشنی میں بسالیتا۔

ذکرِ الٰہی سے سکون کا کیا تعلق ہے؟

بظاہر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ کے ذکر سے دل کے سکون کا کیا تعلق ہے؟ ہم کہیں گے کہ صرف تعلق نہیں بلکہ گہرا تعلق ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ جب اللہ کا بندہ یہ

سو نچے گا کہ میرا حقیقی مالک اللہ ہے کتنا پیارا نام ہے میرے مولیٰ کا **اللہ اللہ**۔

کتنا خوبصورت نام ہے میرے خالق کا، **اللہ اللہ**۔

کتنا معنی خیز نام ہے میرے رازق کا، **اللہ اللہ**۔

کتنا انوکھا نام ہے میرے مالک کا، **اللہ اللہ**۔

میں تو پوری دنیا کو بھول سکتا ہوں مگر اس کو بھول نہیں سکتا جس کو **اللہ** کہتے ہیں، وہ تو میرے دل کی روشنی ہے، میرے دل کی غذا ہے، میرے دل کی قوت ہے، میرے دل کی چمک ہے، میرے دل کی بہار ہے؟ میرے دل کی صدا ہے، میرے دل کی آواز ہے، میرے دل کی آرزو ہے، میرے دل کی تمنا ہے، میرے دل کی خوشبو ہے، میرے دل کی انگڑائی ہے، میرے دل کی شمع ہے، میرے دل کی بنیاد ہے، میرے دل کا مینار ہے، میرے دل کی بلندی ہے، میرے دل کی زیب وزینت ہے، میرے دل کی خوشی وراحت ہے، میرے دل کا محور ہے، میرے دل کا مخاطب ہے، میرے دل کی منزل ہے، میرے دل کی طلب ہے اور میرے دل کا منظر ہے۔

وہی اللہ میرے دل کے آگے بھی ہے پیچھے بھی۔

وہی اللہ میرے دل کے دائیں بھی ہے بائیں بھی۔

وہی اللہ میرے دل کے اوپر بھی ہے نیچے بھی۔

وہی اللہ میرے دل کا معبود۔

وہی اللہ میرے دل کا مسجود۔

وہی اللہ میرے دل کا قبلہ۔

وہی اللہ میرے دل کی کشش۔

وہی اللہ میرے دل کا مطلوب۔

اور وہی اللہ میرے دل کی پناہ گاہ۔

پھر کیوں نہ میرے دل کو سکون ملے جب میں اسے یاد کروں؟ طالب کو مطلوب ملے تو

سکون ملے، دل کو اللہ ملے تو سکون کیوں نہ ملے؟ ماں کو اپنا کلیجہ ملے تو سکون ملے، میرے دل کو میرے دل کا قبلہ ملے تو سکون کیوں نہ ملے؟

مسافر کو منزل ملے تو سکون ملے اور میرے دل کو اللہ مل جائے تو سکون کیوں نہ ملے؟

بھٹکے کو راہ ملے تو سکون ملے اور میرے دل کو ذکرِ الٰہی کی روشنی ملے تو سکون کیوں نہ ملے؟

آدمی کو مقصد میں کامیابی ملے تو سکون ملے اور میرے دل کا مقصد میرے رب کی معرفت ہے اور میرے دل کو میرے رب کی پہچان ہوجائے اور وہ پہچان کر اپنے رب کو پکارنے لگے تو پھر بتایئے کہ سکون کیوں نہ ملے؟

دل کے سکون کا تعلق ذکرِ الٰہی سے اس لئے بھی ہے کہ جب آدمی اپنے رب کو پہچان لیتا ہے تو پھر رب کے پیغام کو بھی جان لیتا ہے اور رب کا پیغام آخرت، جنت، قیامت، دوزخ، میزان اور حساب کا ماننا بھی ہے، اور جب آدمی اپنے رب کو مان لے گا اس کو یقین ہوجائے گا کہ مجھے مرنے کے بعد پھر سے جینا ہے، جینے کے بعد رب کے حضور کھڑے ہونا ہے، اور پھر میرا حساب ہوگا، پھر مجھے میرا مولیٰ جنت میں ڈال دے گا اور میں جنت میں اپنی منزل دیکھ لوں گا اور وہیں ہمیشہ ہمیشہ رہوں گا۔

یقین میں ڈوب کر اس قدر سوچ لینے والے کے دل میں سکون نہیں تو کیا آئے گا؟ اس قدر طمانیت سے سوچنے والا اطمینان ہی تو پائے گا۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اللہ کے ذکر سے اسی شخص کو سکون ملتا ہے جس کے دل میں ایمان ہو، اسی لئے سورۂ زمر کی آیت ﴿۴۵﴾ میں کہا گیا کہ:

واذا ذکر اللّٰہ وحدہ اشمازت قلوب الذین لایؤمنون بالآخرۃ O

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کا حال یہ ہے کہ جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل تنگ ہونے لگتے ہیں اور جس کا دل تنگ ہو اس کو طمانیت اور سکون کہاں میسر ہوگا؟

اللہ تعالیٰ کا دل سے کیا تعلق ہے؟

زندگی کے مختلف موقعوں پر ہمارے سامنے مختلف تجربے پیش آتے رہتے ہیں، کسی خونخوار اور خوفناک جانور (شیر وغیرہ) کا ذکر ہوتا ہے تو دل میں خوف طاری ہوتا ہے، کسی باوقار استاد کا تذکرہ اس کے شاگرد کے سامنے کیا جاتا ہے تو اس کا ڈر شاگرد کے دل میں محسوس ہوتا ہے، جن، بھوت وغیرہ کے تذکرہ ہی سے لوگ سہم جاتے ہیں اور بعض لوگوں کا پتہ پانی ہوجاتا ہے، یہ خوف، رعب اور ہیبت کی الگ الگ مثالیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی بے مثال ہے کہ اس کے ذکر سے دل میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کی مثال دینا بھی مشکل ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات بھی بے مثال ہے اور اس کا نام سننے کے بعد ہیبت اور عظمت کی وجہ سے دل میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ بھی بے مثال ہے، اللہ تعالیٰ کا دل سے جو گہرا رشتہ، تعلق اور ربط ہے اس کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو محبتِ الٰہی کی دولت کا حصہ نصیب ہوا ہو، ظاہر ہے کہ ایک حقیقی مومن اس نصیبہ سے محروم نہیں ہوسکتا۔

ایک حقیقی مومن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا تذکرہ کیا جائے، اس کی پاکی بیان کی جائے اس کی کبریائی، بلندی اور بڑائی بیان کی جائے پھر بھی اس کے دل کی کیفیت نہ بدلے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ایمان میں یا تو کمی اور کمزوری ہے یا سرے سے ایمان ہی نہیں ہے۔

ہر مومن و مسلمان کو بار بار اس کا احتساب کرنا چاہئے کہ کیا واقعی میں مومن و مسلمان ہوں؟ اگر وہ مومن و مسلمان ہے اور اس کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس کا دل لرز جائے، جتنا زیادہ اس کا دل اپنے رب کے جلال اور اس کی عظمت و ہیبت کے تصور سے لرزے گا اسی قدر اس کے ایمان کی گواہی دی جاسکے گی۔

لفظِ اللہ کے سننے کے بعد ایک غیر سنجیدہ شخص بھی سنجیدہ ہوجائے، ایک بے قابو شخص بھی معتدل اور متوازن ہوجائے، احکامات سے منہ پھیرنے والا بھی گردن جھکادے، منہ موڑنے

والا بھی سجدے میں گر جائے اور حدود کو پامال کرنے والا حدود کے دائرے میں آجائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس دل میں چنگاریاں موجود ہیں اور ان چنگاریوں کو اگر استعمال میں لایا جائے تو پھر ایمان کی حرارت کے پیدا ہونے کے قوی امکانات بھی موجود ہیں۔

قرآن مجید نے اسی حقیقت کی ترجمانی کی ہے کہ:

انما المومنون الذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم و اذا تلیت علیھم اٰیتہ زادتھم ایمانا و علی ربھم یتوکلون O (۲/الانفال)

ایمان والے تو وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کی عظمت کے استحضار سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ایک ایسا مومن جو اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتا اور کانپتا ہو اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتا ہو، اس کے دل میں یہ یقین ہوتا ہے کہ اسے اپنے پروردگار کی طرف ایک دن جانا ہے، اور یہی احساس اس کے دل کو لرزا دیتا ہے، قرآن مجید نے اسی حقیقت کو اجاگر کیا کہ:

ان الذین ھم من خشیۃ ربھم مشفقون والذین ھم بایت ربھم یومنون والذین ھم بربھم لا یشرکون والذین یوتون ما اٰتوا وقلوبھم وجلۃ انھم الی ربھم راجعون اولئک یسرعون فی الخیرات وھم لھا سبقون O (۶۱/المومنون)

جو اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے کانپتے رہتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اپنے پالنہار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے اور راہِ خدا میں جو کچھ دے سکتے ہیں برابر دیئے جاتے ہیں اور ان کے دل اپنے رب کی طرف جانے کے خوف سے تھر تھر کانپتے ہیں، نیکی اور بھلائی کے کاموں میں دوڑ کر آگے نکل جانے میں ایسے ہی لوگوں کا حوصلہ بڑھے گا۔

دل قرآن حکیم کی روشنی میں

دل کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے؟ اس پر ایک مفصل نظر ڈالیئے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ دل کی حقیقت، اہمیت اور حیثیت کیا ہے؟

دل ہی کا اعتبار ہے

یہ ایک حقیقت ہے کہ سارے اعضاء میں اعتبار دل کا ہوتا ہے اسی لئے اگر کوئی شخص کوئی بات کہتا ہے تو کبھی ہم یہ پوچھ لیتے ہیں کہ کیا تم یہ بات دل سے کہہ رہے ہو؟ مذاق سے کہی ہوئی بات یا یوں ہی کہی ہوئی بات کا اعتبار نہیں ہوتا اس لئے کہ اس میں دل کی آواز شامل نہیں ہوتی، زبان کی گفتگو اور اعضاء و جوارح کے افعال اعمال کا تعلق دل سے ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی بیوی ہاجرہؑ اور شیر خوار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جہاں کعبۃ اللہ موجود ہے وہاں اس وقت لا بسایا جب کہ سوائے جنگل و بیابان کے وہاں کچھ بھی نہیں تھا تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا اے اللہ میں اپنی اولاد کو آپ کے معظم گھر کے قریب میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں آباد کرتا ہوں اے ہمارے رب تا کہ وہ لوگ نماز کا اہتمام رکھیں تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے۔

غور کیجئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارے لوگوں کے دلوں کو نشانہ بنایا اس لئے کہ اگر دل مائل ہو جائیں تو آدمی کے سارے اعضاء و جوارح خود بخود مائل ہو جائیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان الفاظ کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا۔

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوٰۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون O (۳۷ / ابراھیم)

دل جڑ ہے اور زبان، ہاتھ اور پیر وغیرہ شاخیں ہیں، جڑ اگرچہ کہ پوشیدہ ہوتی ہے مگر درخت کے وجود میں اصل کردار جڑ ہی کا ہوتا ہے اسی طرح گفتگو کے دوران، اعمال و افعال

کے دوران سامنے تو آنکھ، کان، زبان، ہاتھ اور پیر ہی ہوتے ہیں لیکن دل جو پوشیدہ ہوتا ہے اصل اسی کا کردار ہوتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک دل کا اعتبار ہے نہ کہ زبان کا۔ جس کے دل میں کفر ہواور زبان پر بھی کفر ہو وہ کافر ہے، جس کے دل میں کفر ہواور زبان پر اسلام کی باتیں ہوں وہ منافق ہے لیکن ایک ایسا شخص جس کے دل میں ایمان ہواور زبان بھی اس کے دل کی ترجمانی کر رہی ہو تو وہی شخص مومن و مسلمان ہے، معلوم یہ ہوا کہ دل کا کردار اہم ہوتا ہے اور اسی کا اعتبار بھی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا:

یقولون بالسنتھم مالیس فی قلوبھم (۱۱/الفتح)

یہ اپنی زبانوں سے ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتیں، اگر صرف زبان کا اعتبار ہوتا اور دل بنیاد نہ ہوتا تو پھر ایسے لوگوں کی بھی خوبیاں بیان کی جاتیں جو زبان سے تو ایمان و اسلام کی باتیں کریں اور دل میں اس سے نفرت اور بغض رکھیں۔

ایمان کا تعلق بھی دل سے ہے

ایک آدمی اسلامی لباس پہنے، مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت اختیار کرے، مسلمانوں کی صحبت میں رہے، بظاہر نماز بھی پڑھے، صدقہ وخیرات بھی کرے لیکن اس کے دل میں اللہ کے ایک ہونے، نبی کے برحق ہونے اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر ایمان ہی نہ ہواور اس کا دل ایمان سے ناآشنا ہو تو پھر یہ ساری خوبیاں جو ظاہری صورت (نماز، اسلامی لباس) میں موجود ہیں بے کار ہیں، ان سے اس کو کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لئے کہ ایمان کا تعلق تو دل ہی سے ہوتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ مجادلہ کی آیت ﴿۲۲﴾ میں ان لوگوں کی تعریف وتحسین کرتے ہوئے جنہوں نے اپنے مشرک و کافر رشتہ داروں سے دوستی ختم کر لی محض اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں ان کی تعریف میں فرمایا کہ:

اولئک کتب فی قلوبھم الایمان O

یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے۔

اس آیت سے معلوم یہ ہوا کہ ایمان کا محل آنکھ، کان، منہ، زبان اور ہاتھ نہیں بلکہ وہ دل ہے جو انسان کے سینہ میں محفوظ ہے، اسی لئے حضور ﷺ کے زمانے میں جب قبیلۂ بنی اسد کے چند آدمی مدینۂ طیبہ آئے اور محض صدقات حاصل کرنے کیلئے اپنے اسلام کا اظہار کیا، حالانکہ انہوں نے زبان سے اپنے مومن ہونے کا اظہار کیا تھا مگر ان کے دل ایمان سے عاری اور خالی تھے تو قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکمO (۱۴/الحجرات)

یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ مطیع ہو گئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

اس آیت سے بھی یہ بات آشکارا ہوگئی کہ ایمان اسی وقت معتبر ہے جب کہ وہ دل میں داخل ہو جائے، صرف زبان سے کہنے والا مومن و مسلمان نہیں ہوتا۔

اگر آدمی ایمان پر مطمئن ہو اور کسی کی زبردستی کی وجہ سے زبان سے کلمۂ کفر کہہ بھی دے تو زبان کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ دل کا اعتبار ہوگا، چنانچہ ایمان سے پھر جانے والے مرتد کافروں کیلئے جہاں سورۂ نحل کی آیت ﴿۱۰۶﴾ میں عذاب عظیم کی وعید سنائی گئی ہے وہیں یہ بات بھی بتا دی گئی کہ الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان کہ اگر کسی کو زبردستی کی گئی کہ وہ کفر کا کلمہ کہے اور اس کے دل میں ایمان پر اطمینان ہو تو پھر ایسا شخص کافر نہیں بلکہ حقیقی مومن و مسلمان ہے۔

اور ایسے لوگ جو منافق ہوتے ہیں جن کی زبانوں پر ایمان و اسلام کی باتیں ہوں اور دلوں میں کفر و شرک کا زہر بھرا ہوا ہو ایسے منافقوں کے دلوں کو بیمار دل قرار دیا گیا چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت ﴿۱۰﴾ میں فرمایا گیا کہ:

فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون O

ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھا دی اللہ نے ان کی بیماری اور ان کیلئے عذاب دردناک ہے اس بات پر کہ جھوٹ کہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کو قلب سلیم اور قلبِ منیب مطلوب ہے

انسانوں کو پیدا کرنے والے پروردگار کو صرف وہی دل مطلوب اور پسندیدہ ہے جو پاکیزہ اور صاف ہو یعنی جس دل میں ایمان کی رونق اور زینت ہو کفر وشرک کی گندگی نہ ہو، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ صفت کی آیت ﴿۸۴﴾ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کی تعریف کی ہے کہ آپ علیہ السلام کا دل قلبِ سلیم تھا۔

و ان من شیعته لابراھیم اذ جاء ربه بقلب سلیم O

کہ حضرت نوح علیہ السلام ہی کے طریقہ والوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے جب کہ وہ اپنے رب کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے یعنی ان کا دل ہر قسم کے برے عقیدہ سے پاک اور دکھلاوے کے جذبہ سے خالی تھا، اس بے مثال پیغمبر کے بے مثال دل میں اخلاص، للّٰہیت، خشوع وخضوع اور توحید ومحبتِ الٰہی کا جذبہ موجود تھا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ کا وہ دل اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے جو اسی کی طرف متوجہ ہو، ساری دنیا سے بے نیاز ہو کر صرف اسی پروردگار کا محتاج بن کر یہ دل اگر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس دل کی تعریف بھی کی جائے گی اور تحسین بھی اور ایسے دل کو قلبِ سلیم کہا جائے گا۔

اور سورۂ ق کی آیت ﴿۳۳﴾ میں ایسے بندوں کی تعریف کی گئی جو اللہ تعالیٰ کی طرف ایسا دل لے کر آتے ہیں جو اسی کی طرف رجوع ہونے والا ہو۔

من خشی الرحمٰن بالغیب وجاء بقلب منیب O

جنت کی نعمتوں کا وعدہ انہی لوگوں کیلئے ہے جو اللہ کی طرف رجوع ہونے والا دل لے کر آئیں اور اللہ کو دیکھے بغیر ہی اس سے ڈریں۔

ان دونوں آیتوں کی یہی ایک پکار دنیا کے سارے انسانوں سے ہے کہ تم اپنے اپنے دلوں کا جائزہ لو اور دیکھو کہ جو دل لے کر تم اپنے پروردگار کی طرف رخ کر رہے ہو کیا اس دل میں ایک اللہ کی طرف رجوع ہونے کی کیفیت موجود ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ رُخ تو

مسجد کی طرف ہے اور دل میں یہ سڑا ہوا عقیدہ بھی ہے کہ نفع ونقصان تو فلاں درگاہ کے بابا کے ہاتھ میں ہے، کامیابی اور ناکامی تو فلاں عامل کے عملیات میں ہے، زندگی اور موت تو فلاں مرشد کے ہاتھ میں ہے، اولاد اور مال و دولت کا ملنا تو فلاں شیخ کے اِرادے پر موقوف ہے۔ **(نعوذباللّٰہ من ذالک)**.

اگرایسا سڑا ہوا چوہا دل کے کنویں میں سڑ رہا ہو تو پھر اس دل پر لعنت کے سوا کیا کیا جاسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کوتو صرف اورصرف وہی بندہ مطلوب ہے اوراس بندہ کا وہی دل محبوب ہے جس دل میں وہ مضبوط عقیدہ ویقین ہو کہ میرے سارے مسائل اور مشکلات کا حل میرے پروردگار کے دربار میں ہے، میں تو خوشحالی میں بھی اسی کی طرح متوجہ ہوں، تنگدستی میں بھی، بیماری میں بھی اسی کو پکارتا ہوں صحت میں بھی، خوشی میں بھی وہی میرا محور ہے غم میں بھی، اگر دل میں یہی بات ہے تو یہی وہ دل ہے جس کو قلبِ سلیم اور قلبِ منیب کہا جاسکتا ہے، اور ایسے ہی شخص کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے آپ کو انبیاء کرام علیہم السلام سے منسوب ہونے کا دعویٰ کرے، ورنہ......

مغرور دل پر مہر لگ جاتی ہے۔

لیکن ایک ایسا دل جس دل میں پیدا کرنے والے کی بڑائی کے بجائے اپنی بڑائی کا احساس ہواور رزق دینے والے کی پاکی کے بجائے اپنے پاک ہونے کا احساس ہواور رب کی کبریائی کے گن گانے کے بجائے اپنی تعریف کے پل باندھنے میں مصروف ہوایسا شخص ملتِ ابراہیمی اور امتِ محمدی کا ایک فرد کہلانے کے قابل نہیں ہوسکتا بلکہ ایسے شخص کوفرعون ونمرود کی صف میں کھڑا کردیا جائے تو شاید عین انصاف تصور کیا جائے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مومن کی آیت ﴿۳۵﴾ میں فرعون وہامان جیسے باطل پرست متکبر ومغرور وشمنانِ رب العالمین کا تذکرہ کرتے ہوئے نقد سزا کا یہ اعلان فرمایا کہ:

كذالك يطبع الله على كل قلب متكبر جبار O

کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح مغرور و جابر کے دل پر مہر کر دیتا ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جس کے دل پر مہر لگا دی جائے اس دل میں ایمان کا نور داخل نہ ہو سکے گا۔

آج لوگ ظاہر کی مضبوطی اور آراستگی میں مصروف ہیں اور ظاہر کی رونق و زینت میں بال برابر فرق آنے نہیں دیتے اور باطن سے اس قدر غافل ہیں کہ رب ذوالجلال کی طرف سے دل کے دروازے بند بھی ہو جاتے ہیں تو انہیں خبر تک نہیں ہوتی۔

دل سے خالقِ دل کا تعلق

یہ ایک معنی خیز حقیقت ہے کہ آنکھ میں دیکھنے کی، کانوں میں سننے کی، ہاتھوں میں پکڑنے کی، دانتوں میں چبانے کی، زبان میں بولنے اور چکھنے کی اور پیروں میں چلنے کی صلاحیت ہے، اسی کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے دل میں ایک ایسی قوت رکھی ہے جو قوت دوسرے اعضاء میں نہیں آسکتی ہے وہ ہے اِرادہ کی قوت، دل تمام نیتوں اور اِرادوں کی آماجگاہ ہے، دل تمام خیالات کی جڑ ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دل کے اِرادوں کو وہی جانتا ہے جس نے اس دل کو مخصوص انداز میں پیدا کیا ہے، دل کے اِرادوں اور نیتوں کو جاننے کا فارمولا نہ کسی ڈاکٹر کے ہاتھ میں ہے اور نہ کسی فلسفی اور سائنسدان کے ہاتھ میں، اس منزل پر پہنچ کر سب کے سب نادم و شرمندہ ہیں، ڈاکٹر اور سرجن دل تک تو پہنچ سکتے ہیں مگر دل کے اِرادوں کو جاننے میں کامیاب نہیں ہو سکتے، ہاں! قیاس آرائیاں ہوسکتی ہیں مگر حقائق تک پہنچنے میں کوئی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

یہاں سمجھنے کا فرق ہے، دل کو تو بہت سے ماہرفن حضرات جان سکتے ہیں کہ دل کیا چیز ہے؟ مگر دل میں کیا ہے؟ اس کو تو خالقِ دل ہی جانتا ہے کہ اس کے دل میں کیا ہے؟ چنانچہ قرآن مجید نے سورۂ فتح کی آیت ﴿۱۸﴾ میں فرمایا:

لقد رضى الله عن المومنين اذيبا يعونك تحت الشجرة فعلم ماقلوبهم فانزل السكينة عليهم و اثابهم فتحا قريباً O

اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ یہ لوگ (صحابۂ کرامؓ) آپ ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کرر ہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ (اخلاص اور عہد کو پورا کرنے کا عزم) تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب میں اطمینان پیدا کر دیا۔

سورۂ آل عمران کی آیت ﴿۱۵۴﴾ میں فرمایا:

واللہ علیم بذات الصدور . اور اللہ تعالیٰ سب باطن کی باتوں کو خوب جانتے ہیں۔

انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ ظاہری حالات سے واقف ہے باطنی حالات سے ناواقف اور اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی شانِ واقفیت یہ ہے کہ وہ باطن کو بھی اسی طرح جانتا ہے جیسے ظاہر کو جانتا ہے، چنانچہ سورۂ نحل کی آیت ﴿۲۳﴾ میں یوں فرمایا گیا:

لا جرم ان اللہ یعلم ما یسرون وما یعلنون O

ضروری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے سب احوال پوشیدہ و ظاہر جانتے ہیں۔

ان تمام حقائق سے معلوم یہ ہوا کہ انسان کے دل کا تعلق بالخصوص رب ذوالجلال سے ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کی نظر صورتوں کی چمک پر نہیں ہوتی بلکہ دلوں کے اِرادوں پر ہوتی ہے، وہ چہروں کی سیاہی کو نہیں بلکہ دل کی چمک کو دیکھتا ہے۔

تقویٰ کا تعلق دل سے اور دل کا تعلق اللہ سے ہے

عموماً لوگ ظاہری شکل وصورت اور چند اعمال کو دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ یہی تقویٰ ہے، حالانکہ تقویٰ کا تعلق دل سے ہے اور یہ اعمال صالحہ تقویٰ کی علامتیں اور ظاہری شکلیں ہیں، تقویٰ کا حقیقی محل تو دل ہے، آدمی اگر اللہ سے ڈرتا ہے تو اس ڈر کا تعلق آدمی کے ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک اور کان سے نہیں ہے بلکہ اس دل سے ہے جس کو خالق کائنات نے پیدا کیا ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت پر غور کیجئے تو محسوس ہوگا کہ تقویٰ کا تعلق انسان کے کس عضو سے ہے؟۔

ان الذین یغضون اصواتھم عندرسول اللہ اولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ لھم مغفرۃ و اجر عظیمO (۳ / الحجرات)

بے شک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کیلئے خالص کر دیا ہے، یہ آیت کب نازل ہوئی اور کیوں نازل ہوئی؟ تفسیر کی کتابوں میں دیکھ لیں یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ تقویٰ کا تعلق قلوب (دلوں) سے کس قدر ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ان صحابۂ کرامؓ کے دلوں کو (جنھوں نے آپ ﷺ کے ادب واحترام میں اپنی آواز کو پست کر لیا تھا) تقویٰ کیلئے خالص کر دیا ہے معلوم ہوا کہ دل اسی لئے پیدا کیا گیا ہے کہ اس کی قوت وصلاحیت کو تقویٰ کے استحکام کیلئے استعمال کیا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل ہو۔

سورۂ حدید کی آیت نمبر ﴿۱۵﴾ پر بھی اگر غور کریں تو محسوس ہوگا کہ خشیتِ الٰہی دل سے ہوتی ہے نہ کہ زبان یا دوسرے اعضاء سے۔

الم یان للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ وما نزل من الحقO

کیا ایمان والوں کیلئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں۔

عبادت کیلئے اور احکامات کی تعمیل کیلئے ظاہری طور پر تو انسان کے دوسرے اعضاء جھکتے ہیں مگر اصل جھکنا تو دل کا جھکنا ہے اگر دل میں خوف وخشیت پیدا ہوگئی تو جسم پر رونگھٹے کھڑے ہوجائیں، زبان پر رقت طاری ہوجائے، آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ پڑے، اور سارے جسم پر لرزہ طاری ہوجائے، اور آدمی کچھ لمحات کیلئے اپنے آپ کو دنیا سے دور اور آخرت سے قریب پائے، ان آیات سے اس بات کا اندازہ ہوا کہ تقویٰ کا بالراست تعلق دل سے ہے اور دل کا بالراست تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے، جس کے دل میں تقویٰ آجائے اور وہ دل اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جائے اس کو دنیا کی کوئی طاقت اللہ کے علاوہ کسی اور کے سامنے جھکا نہیں سکتی۔

ایسے متقی لوگ بظاہر بازار میں ہوتے ہیں، ان کے سارے اعضاء، مکانوں، دفتروں،

سڑکوں اور کاروبار میں ہوتے ہیں لیکن تقویٰ سے بھرپور ان کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف لٹکا ہوا ہوتا ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا سات آدمی ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اس دن اپنا سایہ کرے گا جس دن اس کے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہ ہوگا، ان سات آدمیوں میں سے ایک وہ ہے **رجل قلبه معلق بالمساجد**، وہ آدمی جس کا دل مسجد میں لٹکا رہے۔

نکتہ: دنیا دار مسجدوں میں بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں ان کا دل بازاروں میں لٹکا ہوا ہوتا ہے، دیندار اور متقی بازاروں میں بھی ہوتے ہیں تو ان کا دل مسجدوں میں لٹکا ہوا رہتا ہے۔

دل کا ٹیڑھا ہونا گمراہی کی علامت ہے

پچھلے مضمون میں درج آیات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ بعضوں کے دلوں کو ان کی نیک نیتی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے تقویٰ کیلئے چن لیتے ہیں اس کے برعکس جو لوگ اس دنیا میں نبی کی مخالفت پر کمربستہ ہوجاتے ہیں اور سرکشی و نافرمانی پر اتر آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایسے ٹیڑھے لوگوں کے دلوں کو اور زیادہ ٹیڑھا کردیتے ہیں، یعنی ان میں مخالفت، سرکشی اور نافرمانی کا مادہ اور زیادہ بڑھ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے سورۂ صف کی آیت نمبر ﴿۵﴾ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا حال یوں بیان کیا ہے۔

و اذ قال موسیٰ لقومه یقوم لم تو ذوننی وقد تعلمون انی رسول اللّٰه الیکم فلمازا غوا ازاغ اللّٰه قلوبهم واللّٰه لایهدی القوم الفسقین O

جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم! مجھ کو کیوں ایذا پہونچاتے ہو حالانکہ تمکو معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، پھر جب وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے اور راہِ ہدایت پر نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو اور زیادہ ٹیڑھا کردیا۔

نکتہ: جب آدمی گناہ پر نادم اور شرمندہ ہوتا ہے تو خدا کا محبوب بن جاتا ہے اور اس کا دل روشن ہوجاتا ہے، لیکن اگر کوئی گناہ پر شرمندہ ہونے کے بجائے اور گناہ کرتا چلا جاتا

ہے تو پھر اس کے دل کا میلان اور رجحان اللہ تعالیٰ کی طرف سے کم ہو جاتا ہے اس کے اندر کا جذبۂ اطاعت سرد پڑ جاتا ہے۔

اس آیت ربانی سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ اگر دل ٹیڑھا ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت اس سے کوسوں دور ہو چکی ہے اور ضلالت و گمراہی کی مہر اس کے دل پر پڑ چکی ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کی حفاظت فرمائے۔

عبرت وہی حاصل کرتا ہے جس میں دل ہو

بگڑے ہوئے آدمی کے سدھرنے کا ایک ذریعہ گزرے ہوئے اچھے یا برے واقعات و حادثات بھی ہیں، اچھے واقعات سے اچھا دل رکھنے والا انسان اچھا سبق لیتا ہے اور برے واقعات و حادثات سے اچھا دل رکھنے والا اچھا انسان عبرت و نصیحت حاصل کرتا ہے، لیکن ایک ایسا شخص جس میں دل تو ہے مگر سمجھ والا دل نہیں وہ نہ کسی واقعہ سے سبق اور نصیحت حاصل کرتا ہے اور نہ اس سے عبرت۔

قرآن مجید اپنے اندر سبق آموز واقعات بھی رکھتا ہے اور عبرتناک قصے بھی تاکہ ان سے قیامت تک آنے والے انسان سبق اور عبرت حاصل کرتے رہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے پچھلی امتوں کی سرکشی اور ان کی ہلاکت کے بارے میں تفصیلات بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتلایا کہ ان واقعات سے وہی شخص نصیحت اور عبرت حاصل کرتا ہے جس کے پاس دل ہو یا وہ دل لگا کر کان بھی لگا دیتا ہو، سورۂ ق کی آیت ﴿۳۶ اور ۳۷﴾ پر غور کیجئے جس میں اسی حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے:

وکم اھلکنا قبلھم من قرن ھم اشد منھم بطشا فنقبوا فی البلاد ھل من محیص ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید O

اور ہم ان اہل مکہ سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جو قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھے اور تمام شہروں کو چھانتے پھرتے تھے، ان کو کہیں بھاگنے کی جگہ بھی نہ ملی، اس میں اس شخص کیلئے بڑی عبرت ہے جس کے پاس دل ہو یا وہ متوجہ ہو کر بات کی طرف کان بھی لگا دیتا ہو۔

نکتہ: اس نکتہ پر بھی غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس شخص کیلئے عبرت ہے جس کے پاس دل ہو، دل تو ہر انسان کے پاس ہوتا ہے، یہاں دل سے مراد وہ دل جو دل کا کام کرے یعنی سمجھ بوجھ رکھنے والا دل۔

دل پر جب مہر لگ جائے

انسان کے جسم میں قدرت نے دل اسی لئے رکھا ہے تاکہ اس دل کے ذریعہ ان حقائق کو سمجھا جائے جن حقائق کے سمجھنے سے بندہ کو اپنی بندگی کا احساس ہو اور اس کو اپنے حقیقی خالق کے پہچاننے میں مدد ملے، چنانچہ دل کے دروازوں کو سمجھنے کیلئے کھلا رکھا جاتا ہے لیکن جب آدمی گناہ پر گناہ کرنے لگتا ہے، نافرمانیوں کا سلسلہ جاری رکھتا ہے، سرکشی کا عادی بن جاتا ہے، ایمان سے دور ہوکر کفر کا مرتکب ہوجاتا ہے اور خدا کا باغی بن جاتا ہے تو ان بُرے اعمال کی نحوست کے اثرات اس کے دل پر پڑنے لگتے ہیں یہاں تک کہ قدرت کی طرف سے سمجھنے کی صلاحیت ختم کردی جاتی ہے، اور اس کے دل پر مہر لگادی جاتی ہے، اس مہر کے لگنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی حق بات کو سمجھ نہیں سکتا، کسی کے سمجھانے کا کوئی اثر اس کی زندگی پر نہیں پڑتا یہاں تک کہ نبی کا ڈرانا اور سمجھانا بھی بے کار ثابت ہونے لگتا ہے، اسی حقیقت کو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر﴿۷﴾ میں نبی رحمت ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے یوں فرمایا گیا:

ان الذین کفروا سواء علیھم ء انذرتھم ام لم تنذرھم لایؤمنون ختم اللّٰہ علی قلوبھم و علی سمعھم و علی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم O

بے شک جو لوگ کافر ہوچکے برابر ہے ان کو ڈرایئے یا نہ ڈرایئے وہ ایمان نہ لائیں گے بند لگا دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔

انسان کے گناہوں کی یہ نقد سزا ہے کہ اس کے دل پر مہر لگادی جاتی ہے، جب یہ مہر لگادی

جاتی ہے تو پھر انسان سمجھ سے محروم ہو جاتا ہے، چنانچہ سورۂ منافقون کی آیت نمبر ﴿۳﴾ میں منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

ذالک بانھم اٰمنوا ثم کفروا فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون O

یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ ایمان لائے پھر کافر ہو گئے سو اُن کے دلوں پر مہر کر دی گئی تو حق بات کو نہیں سمجھتے۔

سورۂ محمد کی آیت نمبر ﴿۱۶﴾ میں بھی منافقوں کے بارے میں یوں کہا گیا۔

ومنھم من یستمع الیک حتیٰ اذا خرجوا من عندک قالوا للذین اوتوا العلم ماذا قال اٰنفاً اولئک الذین طبع اللّٰہ علی قلوبھم واتبعوا اھواء ھم O

اور اے نبی کریم ﷺ ! بعض لوگ ایسے ہیں (منافقین) کہ وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ لوگ آپ کے پاس سے اُٹھ کر مجلس سے باہر جاتے ہیں تو دوسرے اہل علم سے کہتے ہیں کہ حضرت نے ابھی کیا بات فرمائی تھی؟ یہ وہ لوگ ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے، اور وہ اپنے نفسانی خواہشات پر چلتے ہیں۔

دلوں پر مہر لگانے کا معاملہ صرف کافروں اور منافقوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو اس دنیا میں اللہ کے مقابلہ میں اپنی بڑائی چاہتا ہے، مغرور و گھمنڈی بن کر زندگی گزارتا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی کرتا ہے اور سرکشی کرتا ہے ایسے شخص کا انجام بھی یہی ہوگا کہ اس کے دل پر بھی مہر لگا دی جائے گی، چنانچہ سورۂ مومن کی آیت نمبر ﴿۳۵﴾ میں کہا گیا۔

کذالک یطبع اللّٰہ علی کل قلب متکبر جبار O

اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مغرور جابر کے پورے قلب پر مہر کر دیتا ہے۔

ہم نے چند آیات پر اکتفا کیا ہے ورنہ ایسی کئی اور آیتیں بھی موجود ہیں جو اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ ایسے دلوں پر مہر بھی لگا دی جاتی ہے۔

یہاں یہ کہنا یقیناً گناہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ ہی کسی کے دل پر مہر لگا دیں تو وہ پھر معذور

ہو گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے پہل ہی کسی انسان کے دل پر مہر نہیں لگا دیتے بلکہ آدمی جب گناہ پر گناہ کرنے لگتا ہے، گناہ پر اصرار کرتا ہے، گناہ کے بعد ندامت اور اعتراف کے بجائے اور زیادہ سینہ پھلاتا ہے اور اپنے گناہ پر فخر بھی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے دستور کے مطابق مہلت دیتے رہتے ہیں جب زمانۂ مہلت ختم ہو جاتا ہے تو پھر مہر لگا دی جاتی ہے، ایسی صورت میں مہر گویا خود اس انسان نے اپنے اوپر گناہ کی زیادتی سے لگا لی ہے، یہ ایسا انسان ہے جس نے اپنے پیر پر خود کلہاڑی مار لی ہے۔

دل کا اطمینان اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتے ہیں

انسان اپنی زندگی میں عموماً دو حالتوں میں سے ایک حالت میں ہوتا ہے، یا تو وہ سنجیدہ ہوتا ہے یا جوش وغضب میں ہوتا ہے، انسان کا سنجیدہ اور نارمل حالت میں ہونے میں امن اور اطمینان ہوتا ہے لیکن جب وہ جوش و جذبات اور غیظ وغضب کی کیفیت میں ہوتا ہے تو راحت واطمینان سے دور جا پڑتا ہے، ایسے وقت صرف ایک ہی طاقت ہے جو اس جوش وغضب کی حالت میں اس کے دل میں طمانیت ڈالتی ہے وہ ہے ربانی قوت و طاقت، جس رب میں آسمان سے بارش برسانے کی قوت و طاقت ہے اس کے سوا کوئی آسمانوں سے نافع بارش برسا نہیں سکتا اسی طرح دلوں میں طمانیت اور سکون نازل کرنے کی قوت و طاقت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح کی آیت نمبر ﴿۴﴾ میں فرمایا:

ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم O

وہی ہے جس نے مومنوں کے دل میں سکینہ نازل کیا تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھ جائے، اس آیت ربانی سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ سکون کی ایجاد روئے زمین میں نہیں ہو سکتی، سکون کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کو انسان اپنے اختیار سے ایجاد کر سکے، یا زمین سے اُگا سکے

بلکہ سکونِ قلب وہ قیمتی نعمت ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور اس نعمت کو نازل کرنے کی قوت و طاقت صرف اسی رب ذوالجلال میں ہے جو قادرِ مطلق ہے، اسی لئے اس آیت ربانی میں کہا گیا کہ:

ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین O

وہی ہے وہ اللہ جس نے مومنوں کے دل میں سکون نازل فرمایا۔

اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سکون کا محل قلبِ مومن ہے۔

حقیقی سکون اور اطمینان پانے والے تو وہی ہیں جن کے دل میں ایمان ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جو بیعتِ رضوان ہوئی تھی اس کا تذکرہ کرتے ہوئے سورۂ فتح کی آیت ﴿۱۸﴾ میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحا قریبا O

اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے جو آپ کے ہمسفر ہیں خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا اللہ کو وہ بھی معلوم تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان کے قلب میں اطمینان پیدا کردیا اور ان کو ایک لگے ہاتھ فتح دے دی، اس آیت کے ذریعہ یہ بات بتلائی گئی کہ ہنگامی مواقع پر جو جوش اور غصہ اور غیظ وغضب پیدا ہوتا ہے اس وقت جو طمانیت اور سکون نصیب ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں برداشت، صبر اور تحمل کی جو قوت پیدا ہوتی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ انعام ہوتا ہے، اس میں انسان کا اپنا کمال نہیں بلکہ رب ذوالجلال کا انعام واحسان ہوتا ہے۔

اطمینان اور سکون کے نزول کے بارے میں یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر بھی سکون و اطمینان نازل فرمایا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح کی آیت نمبر ﴿۲۶﴾ میں فرمایا:

اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیۃ حمیۃ الجاھلیۃ فانزل اللّٰہ سکینتہ علی رسولہ و علی المومنین O

جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی سو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اور مومنین کو اپنی طرف سے سکینہ (تحمل) عطا فرمایا۔

ان آیات ربانی سے ہم سب کو یہ سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ سکون اور اطمینان کو آپ کسی بازار یا شاپنگ سنٹر میں خرید نہیں سکتے، اور نہ اپنی محنت سے یہ نعمت حاصل ہوسکتی ہے بلکہ اس نعمت کے حصول کیلیئے اللہ کی ذات پر ایمان ضروری ہے اور اس کی طرف رجوع ہونا بھی ضروری ہے، دلوں کا حقیقی اطمینان وسکون تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے۔

دل بیمار کب ہوتا ہے؟

یوں تو دل اس وقت بھی بیمار ہوتا ہے جب دل کی کوئی رگ سوکھ جاتی ہے یا خون کی نالیاں بند ہوجاتی ہیں یہ تو دل کی ظاہری بیماری ہے لیکن دل کی باطنی بیماری کیا ہے اور دل کب بیمار ہوتا ہے اور کس دل کو بیمار دل کہا گیا؟ اس کا جواب ہم کو آیاتِ قرآنی سے ملتا ہے چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت ﴿۸ تا ۱۰﴾ میں یوں کہا گیا۔

ومن الناس من یقول اٰمنا باللّٰہ وبالیوم الآخر وماھم بمومنین یخدعون اللّٰہ والذین اٰمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون فی قلوبھم مرض فزادھم اللّٰہ مرضا ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون O

اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور وہ ہرگز مومن نہیں، دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے اور دراصل کسی کو دغا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سوچتے۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھا دی اللہ نے ان کی بیماری اور ان کیلیئے عذابِ دردناک ہے اس بات پر کہ جھوٹ کہتے تھے۔

یہ آیتیں منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور "فی قلوبھم مرض ان کے دلوں میں بیماری ہے" جو کہا گیا ہے اس سے منافقوں کے دل مراد ہیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس دل میں ایمان اور توحید ہے وہ دل صحت مند دل ہے اور جس دل میں نفاق اور شرک ہے وہ دل بیمار دل ہے۔

سورۂ محمد کی آیت نمبر ﴿۲۰﴾ میں بھی یہ بات بتائی گئی ہے کہ منافقوں کا دل بیمار ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا۔

ویقول الذین اٰمنوا لو لا نزلت سورة فاذا انزلت سورة محکمة وذکر فیھا القتال رایت الذین فی قلوبھم مرض ینظرون الیک نظر المغشی علیه من الموت فاولیٰ لھم O

اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے رہتے ہیں کہ کوئی نئی سورت کیوں نہ نازل ہوئی سو جس وقت کوئی صاف صاف سورت نازل ہوتی ہے اس میں جہاد کا بھی ذکر ہوتا ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف اسی طرح دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی بیہوشی طاری ہو، سو عنقریب ان کی کم بختی آنے والی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقوں کے دل بیمار ہوتے ہیں، ہر صاحبِ ایمان کو چاہیئے کہ وہ اس قدر محتاط اور چوکنا رہے کہ اس کے دل میں نفاق داخل نہ ہو، اس لئے کہ اگر دل میں نفاق داخل ہوگیا تو پھر دل بیمار ہو جائے گا۔

اور یہ ایسی بیماری ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس بیماری کا راز فاش کردے اور آدمی اس بیماری کی وجہ سے ذلیل ورسوا ہو جائے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ محمد کی آیت ﴿۲۹﴾ میں فرمایا:

ام حسب الذین فی قلوبھم مرض ان لن یخرج اللّٰہ اضغانھم O

جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے کیا یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کی دلی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا، اور ہم اگر چاہتے تو آپ کو ان کا پورا پتہ بتلا دیتے۔

دلوں میں فرمانبرداری کا جذبہ ہو ضد نہ ہو

خالق کائنات نے اپنے بندوں کے جسم میں دل اس لئے نہیں پیدا کئے کہ ان دلوں میں نافرمانی، سرکشی، بغاوت، عداوت اور جاہلیت کی ضد کے بیج بوئے جائیں بلکہ خالق کائنات نے اس دل کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ اس میں علم کی روشنی پھیلائی جائے اور اس روشنی کے ذریعہ فرمانبرداری اور اطاعت کے پھل اور پھول پیدا کئے جائیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک ایسی

قابل تحسین وتقلید جماعت تیار کی اور ان کے دلوں میں جذبۂ اطاعت پیدا کیا اور ضد اور سرکشی سے ان کے دلوں کو پاک کیا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی رحمت ﷺ کی صحبت بابرکت میں رہنے والے صحابۂ کرامؓ کا امتحان صلح حدیبیہ کے موقع پر لیا کہ جس اسلام کو قیامت تک کیلئے باقی رہنا ہے اور اس کی بقاء کیلئے صحابۂ کرام کو ذریعہ بننا ہے ان صحابۂ کرام کی تربیت آپ ﷺ نے بالراست اس طرح فرمائی کہ ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے ایسے اِرشادات پر بھی اپنا سر جھکا دیا جن اِرشادات پر عمل کرنا بظاہر ناممکن تھا لیکن چونکہ ان پاکیزہ نفوس کی تربیت ہی ایسی کی گئی تھی کہ ان کا کام ہی اٰمنا و صدقنا اور اطعنا و اتبعنا ہے کہ ہم ایمان لے آئے ہم نے تصدیق کی اور ہم نے اطاعت کی اور اتباع کی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر سردارانِ مکہ اور آپ ﷺ کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس پر غور کریں تو محسوس ہوگا کہ ایسی باتوں پر کس طرح صحابۂ کرامؓ آمادہ ہوگئے۔ جب سردارانِ مکہ کی طرف سے کہا گیا کہ عہد نامہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھا جائے تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نکال دو، اور جب یہ کہا گیا کہ لفظِ رسول اللہ بھی مٹا دو تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ رسول اللہ کے بجائے محمد بن عبداللہ لکھ دو اور مکہ سے اگر کوئی مسلمان آجائے تو اس کو واپس کر دیا جائے، اس بات کو بھی تسلیم کیا گیا ان تمام اِرشاداتِ رسول کو تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قبول کر لیا اور اطاعت کر لی، آپ ﷺ کے حکم کے مطابق مکہ میں داخل ہوئے بغیر مدینہ منورہ واپس ہوگئے۔

صحابۂ کرامؓ نے متفقہ طور پر آپ ﷺ کے احکامات کی اطاعت کی، یہی چیز اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے کہ دل میں اللہ اور اس کے رسول سے متعلق جذبۂ اطاعت ہو، یہی مومن ومسلمان ہونے کی علامت بھی ہے اس کے مقابلہ میں دلوں میں کدورت، سرکشی، ضد اور نافرمانی وغیرہ یہ تو کفر کی پیداوار ہیں۔

کافروں نے صلح حدیبیہ کے وقت جاہلیت کی ضد کو اپنے دلوں میں جگہ دی اور انہیں یہ پسند نہ آیا کہ معاہدہ میں بسم اللہ لکھی جائے اور لفظِ رسول آپ ﷺ کیلئے لکھا جائے، کافروں

کی طرف سے یہ مطالبات محض ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تھے ،اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کی اس جاہلیت والی ضد کی نشاندہی سورۂ فتح کی آیت نمبر ﴿۲۶﴾ میں فرمائی

اذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیة حمیة الجاھلیة O

جبکہ ان کافروں نے اپنے دلوں میں عار کو جگہ دی اور عار بھی جاہلیت کی عار......

اس عار سے مراد وہ ضد ہے جوانہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر کی۔

اس آیت نے ہم مسلمانوں کو اس بات کا درس دیا ہے کہ ہم دلوں میں ضد اور ہٹ دھرمی کو جگہ نہ دیں بلکہ اطاعت اور اتباع کے جذبات دلوں میں پیدا کریں۔

دل ایمان سے مزین ہوتے ہیں

ہر چیز کے پُر رونق اور مزین ہونے کے اسباب و ذرائع الگ الگ ہوتے ہیں،سونے کو پر رونق بنانے کیلئے بھٹی میں ڈالنا پڑتا ہے تاکہ اس کا میل کچیل نکل جائے، پتھر کو سنوارنے کیلئے سلیقہ سے تراشنا پڑتا ہے، دیواروں کو مزین کرنے کیلئے طرح طرح کے رنگ کا استعمال لازمی ہوتا ہے،جسم کو پررونق بنانے کیلئے صابن، پاوڈر اور دیگر اشیاء کا استعمال ضروری ہوتا ہے، بالکل اسی طرح دل کو پر رونق اور بازینت بنانے کیلئے نہ اس کو تراشنے کی ضرورت ہے نہ اس کو کسی بھٹی میں ڈالنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی وہ اپنے مزین ہونے کیلئے کسی رنگ کامحتاج ہے بلکہ دل ایمان سے مزین ہوتا ہے۔ دل نورِایمان سے منور ہوتا ہے، اسی ایمان کی روشنی اور جگمگاہٹ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی جان بھی دینے کو تیار ہوسکتا ہے مگر اپنے ایمان کا سودا کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا، ایسا مومن جس کے دل میں ایمان جگمگا رہا ہواور اس نے اس ایمان کی حلاوت کومحسوس کرلیا ہواب وہ کسی بھی قیمت پر اس ایمان کو اس دل سے ایک لمحہ کیلئے بھی جدا ہونے نہیں دیتا،مومن ومسلمان کی سب سے بڑی طاقت یہی ہے کہ وہ آگ میں جلنے، میدان جہاد میں مرنے ،تلواروں کی زد میں آنے اور اپنی جان جان افرین کے حوالے کرنے کیلئے تیار ہوگا مگر وہ کبھی اپنے ایمان کو دل سے جدا ہونے نہیں دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے دل کی تزئین کے بارے سورۂ حجرات کی آیت ﴿۷﴾ میں وضاحت فرمائی ہے۔

واعلموا ان فیکم رسول اللّٰہ لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم ولکن اللّٰہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولٰئک ھم الراشدون O

اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ ہیں، بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ اس میں تمہارا کہنا مانا کریں تو تم کو بڑی مضرت پہنچے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان کی محبت دی، اسے تمہارے قلوب میں مزین کر دیا اور کفر وفسوق و نافرمانی کو تمہارے نزدیک مکروہ بنا دیا یہ لوگ ہدایت والے ہیں۔

چلتے چلتے اس نکتہ پر بھی غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں **اولئک ھم الراشدون** کہکر یہ بتلا دیا کہ جن لوگوں کے دلوں میں ایمان محبوب اور مزین ہوگیا اور ان کو نافرمانی سے نفرت ہوگئی یہی لوگ حقیقت میں ہدایت کے راستہ پر ہیں، **فضلا من اللّٰہ و نعمۃ** کہکر اور تاکید بھی فرمادی کہ کسی کے دل میں ایمان کا آجانا اور اس ایمان کی وجہ سے دل کا مزین ہوجانا اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے انعام واحسان کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ایمان والوں کو ایمان سے لبریز اپنے دل پر مسرور ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایمان کیلئے چن لیا ورنہ دنیا میں کتنے محروم دل ایسے ہیں جن کے دلوں میں ابھی تک کفر وشرک کی بے رونقی اور تاریکی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ سارے عالم کے انسانوں کے دلوں کو ایمان کی رونق وزینت سے سرفراز فرمادے۔ (آمین)۔

دل بھی زنگ آلود ہوتے ہیں

جس طرح ہر چیز کے پر رونق اور مزین ہونے کے اسباب الگ الگ ہیں اسی طرح ہر چیز کے خراب اور زنگ آلود ہونے کے اسباب وذرائع بھی جدا جدا ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر لوہے کو گندے پانی میں مسلسل رکھا جاتا ہے تو دھیرے دھیرے وہ لوہا زنگ آلود

ہونے لگتا ہے بالکل اسی طرح دل کی کیفیت بھی ہے کہ دل کو بھی زنگ لگ جاتا ہے لیکن دل کے زنگ آلود ہونے میں مادی اسباب نہیں ہوتے بلکہ اس کے ذرائع غیر مادی ہوتے ہیں، بُرے اعمال اور بُرے عقائد سے دلوں کو زنگ لگتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ التطفیف کی آیت نمبر ﴿۱۳ اور ۱۴﴾ میں کافروں کی حالت بیان کی کہ:

اذا تتلی علیہ اٰیتنا قال اساطیر الاولین کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون O

جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ اگلوں کے افسانے ہیں یوں نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے۔

اس آیت کے ذریعہ یہ وضاحت کردی گئی کہ کافروں کا قرآن مجید کے بارے میں ''گھڑے ہوئے افسانے'' کہنا اسی بیماری کی وجہ سے ہے کہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے اگر دل صاف ہوتے اور زنگ سے محفوظ ہوتے تو پھر ان کے دل یہ فیصلہ کرتے کہ یہ آفاقی کلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔

ابن ماجہ نے آپ ﷺ کا یہ اِرشاد نقل کیا ہے کہ بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے اگر توبہ کر لیتا ہے تو اس کی صفائی ہو جاتی ہے اور اگر گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہی پھیلتی جاتی ہے۔

ترمذی اور نسائی میں ہے کہ کافروں کے دل پر رین (زنگ) ہوتا ہے اور نیکوکار لوگوں کے دلوں پر غیم (بادل) ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ گناہ پر گناہ کرنے سے دل اندھا ہو جاتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔

دل الفت ومحبت کا مرکز ہوتے ہیں

اعضاءِ انسانی میں دل ہی وہ عضو ہے جہاں سے محبت کی کرنیں پھوٹتی ہیں، دل الفت ومحبت کا سرچشمہ ہوتا ہے، آنکھوں کے اِشارے، زبان سے نکلنے والے الفاظ، چہرہ سے ظاہر ہونے

والی خاص کیفیت اور ہاتھوں سے کیئے جانے والے اِشارے یہ سب محبت کے اظہار کے آلے ہوتے ہیں لیکن جہاں محبت والفت قرار پاتی ہے وہ تو صرف دل ہے۔ دل کی گہرائیوں میں جو محبت والفت ہوتی ہے وہی محبت قابل اعتبار ہوتی ہے اور جو محبت صرف زبان کی نوک پر ہوتی ہے وہ صرف محبت کا اظہار ہے اس کو محبت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

اس حقیقت کو ہم قرآن مجید سے سمجھ سکتے ہیں کہ محبت کا ظرف دل ہی ہے دوسرے اعضاء نہیں چنانچہ سورۂ ال عمران کی آیت نمبر ﴿۱۰۳﴾ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللّٰہ علیکم اذ کنتم اعداد فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا O

اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو اور باہم نا اتفاقی مت کرو اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم باہم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں ایک دوسرے کی الفت ڈال دی ،سو تم خدا تعالیٰ کے اس انعام سے آپس میں بھائی بھائی کی طرح ہو گئے۔

اس آیت کے اس ٹکڑے "**فالف بین قلوبکم**" (تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی) سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے محبت کو زبان میں یا دانتوں میں یا پیروں میں یا کانوں میں نہیں ڈالا بلکہ الفت ومحبت کو دل میں ڈال دیا اس سے معلوم ہوا کہ دل ہی محبت والفت کا سر چشمہ اور مرکز ہوتے ہیں، دلوں میں ہی محبت جا گزیں ہوتی ہے۔

اس آیت سے ایک اور بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ دلوں میں محبت کا پیدا ہو جانا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس انعام کی اہمیت سمجھا رہے ہیں اور اس انعام واحسان کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کا حکم دے رہے ہیں کہ "**واذکروا نعمت اللّٰہ علیکم**" کہ تم اللہ کے اس احسان کو یاد کرو۔

یہ آیت اس پس منظر میں نازل ہوئی ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے صدیوں سے جو دشمنی

اور عداوت مختلف اشخاص وافراد اور قبیلوں کے درمیان چلی آرہی تھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی بعثت اور دین اسلام کی برکت سے اس عداوت اور دشمنی کی جڑ کو اکھاڑ کر پھینک دیا اور آپ ﷺ کی تعلیمات کے نتیجہ میں سارے مسلمانوں کے درمیان محبت و الفت قائم ہوئی، اور ایسی دوستی قائم ہوگئی کہ ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنے لگے اور مسلمانوں کی اس بے مثال محبت و الفت کے نتیجہ میں دشمن مرعوب ہوگئے، ظاہر ہے کہ اسی محبت و الفت سے وہ عظیم انقلاب پیدا ہوا جس کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

مختلف لوگوں کے دلوں کو جوڑ کر ان میں الفت ومحبت پیدا کرنا کسی انسان کے بس میں نہیں ہے یہ تو اس ذات کا کام ہے جس نے اس پوری دنیا کو پیدا کیا، اگر کوئی انسان ساری دنیا کی دولت بھی اس کام کیلئے خرچ کر ڈالے کہ باہم نفرت رکھنے والوں کے دلوں میں الفت ومحبت پیدا کردے تو وہ کبھی اس پر قابو نہیں پا سکتا، لوگوں کے دلوں میں الفت ومحبت صرف اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، چنانچہ سورۂ انفال کی آیت نمبر ﴿۶۳﴾ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والف بین قلوبکم لوانفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم انہ عزیز حکیم O

اور اللہ نے ان کے دلوں میں اتفاق پیدا کردیا، اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کرسکتے، لیکن اللہ نے ان میں باہم اتفاق پیدا کردیا۔

زبانی محبت وہ کھوکھلی محبت ہوتی ہے جس کے ذریعہ کوئی غرض تو حاصل کی جاسکتی ہے لیکن ایسی زہریلی محبت سے کسی کا دل نہیں جیتا جاسکتا، اس کے برخلاف دلی محبت وہ بے مثال اور طاقتور محبت ہوتی ہے کہ جس کی کشش سے دشمن کو بھی دوست بنایا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو وہ محبت مطلوب نہیں جو دل کے دروازے میں ابھی تک داخل نہ ہوئی ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کو وہ محبت مطلوب ہے جو دل میں پیوست ہوچکی ہو۔

دل اللہ کے تصرف میں

یوں تو ساری کائنات ہی اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہے لیکن دل خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے خاص تصرف میں اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ برائیوں سے اپنے کسی بندے کی حفاظت کرنا چاہتے ہیں تو اس کے قلب اور گناہوں کے درمیان آڑ کر دیتے ہیں اور جب کسی کی بدبختی مقدر ہوتی ہے تو اس کے دل اور نیک کاموں کے درمیان آڑ کر دیتے ہیں قرآن مجید میں اس حقیقت کی طرف اِشارہ کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واعلموا ان اللّٰہ یحول بین المرء وقلبه وانه الیه تحشرون O (۲۴/الانفال)

یہ بات سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتے ہیں آدمی کے اور اس کے قلب کے درمیان

اس آیت کے سلسلہ میں مفسرین نے دو معنی بیان کئے ہیں ایک معنی تو یہ ہوسکتا ہے کہ جب کسی نیک کام کے کرنے کا موقع آئے تو اس کو فوراً کرلیں دیر نہ کریں اور اس موقع کو غنیمت جانیں کیونکہ بعض اوقات آدمی کسی نیک کام کا اِرادہ کرتا ہے اتنے میں کوئی بیماری یا حادثہ پیش آجاتا ہے اور اس نیک کام کا موقع پھر نہیں ملتا، اس آیت کے ذریعہ اس بات کی گویا ترغیب دی گئی ہے کہ وقت کی فرصت اور موقع کو غنیمت سمجھیں اور نیک کام کو نہ ٹالیں، اور دوسرا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے بندہ سے نہایت قریب ہیں۔

اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں کہ:

ان اللّٰہ یحول بین المرء و قلبه O

کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان آڑ ہوتا ہے تو آڑ کیلئے قربت و نزدیکی تو ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے قریب ہونے کا تذکرہ دوسری آیت میں بھی ہے۔

ونحن اقرب الیه من حبل الورید O

اور ہم انسان کی رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

بہر حال اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک بات تو یہ کہ انسان کا دل اللہ تعالیٰ کے خاص تصرف میں ہے کہ وہ اس کے دل کو جس طرح چاہے موڑ دے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان آڑ ہوتے ہیں یعنی قریب ہوتے ہیں، اسی حقیقت کی بنیاد پر کہ دل اللہ تعالیٰ کے خاص تصرف میں ہوتا ہے، نبی کریم ﷺ نے یوں دعاء فرمائی۔

یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک O

اے قلوب کو پلٹنے والے! تو میرے دل کو تیرے دین پر ثابت قدم رکھ۔

ہر مومن و مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے دل کو دین اسلام پر ہمیشہ ثابت قدم رکھنے کیلئے دل کے پلٹنے والے حقیقی خالق و مالک سے تعلق رکھے اور دعاء کرتا رہے۔

غافل دلوں سے دور رہیں

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدوۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عینک عنھم ترید زینۃ الحیواۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھواہ وکان امرہ فرطاً O (۲۸ / الکھف)

اور آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنے میں مقید رکھا کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کیلئے کرتے ہیں اور دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پاویں، اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانئے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا یہ حال حد سے گزر گیا ہے۔

سورۂ کہف کی اس آیت کے سلسلہ میں مفسرین نے جو شان نزول بیان کیا ہے اور اس ضمن میں جو واقعات بیان کئے ہیں وہ مختلف ہیں چنانچہ بغویؒ نے نقل کیا ہے کہ عیینہ بن حصن فزاری مکہ کا رئیس تھا، وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ کے پاس حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے جو فقراء صحابہ میں سے تھے ان کا لباس خستہ تھا ان

کے علاوہ اور دوسرے غریب وفقیر صحابۂ کرامؓ بھی وہاں موجود تھے، عیینہ نے کہا کہ بس آپ کے پاس آنے اور آپ کی بات سننے سے یہی لوگ مانع (رکاوٹ) ہیں ایسے خستہ حال فقیروں کے ساتھ ہم لوگ نہیں بیٹھ سکتے آپ ان کو اپنی مجلس سے ہٹا دیں یا کم از کم ہمارے لئے علیٰحدہ مجلس بنا دیں اور ان کیلئے علیحدہ مجلس بنا دیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ امیہ بن خلف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دیا کہ غریب فقیر شکستہ حال مسلمانوں کو آپ قریب نہ رکھیں بلکہ مکہ اور قریش کے سرداروں کو ساتھ رکھیں یہ لوگ آپ کا دین قبول کرلیں گے تو دین کو ترقی ہوگی۔

اس قسم کے واقعات کے پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی ہے جس میں دوٹوک انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید کردی گئی ہے کہ ان سردارانِ قریش کے مشورہ کو قبول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور فقیر وغریب صحابۂ کرام کو اپنے سے دور کرکے مکہ کے رئیسوں کو قریب رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ اے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنے نفس کو صحابۂ کرامؓ کے ساتھ باندھ کر رکھیں، یعنی تعلقات اور توجہات سب ان صحابہ کے ساتھ وابستہ رکھیں، سارے معاملات میں انہی صحابۂ کرام سے مشورہ لیتے رہیں، انہی صحابۂ کرام کی امداد واعانت سے کام کریں اس لئے کہ یہ وہ پاکیزہ نفوس ہیں کہ اپنے رب کو صبح وشام پکارتے رہتے ہیں اللہ کی رضا مندی اور خوشنودی کے طلب گار رہتے ہیں اور پھر تاکید کے طور پر یہ بھی صاف طور پر اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ "**ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا** کہ اے پیارے پیغمبر! اور آپ ایسے شخص کا کہنا نہ مانیئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کررکھا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان لوگوں کی کوئی اہمیت نہیں جن کے دل اللہ کے ذکر سے غافل ہوں چاہے دنیوی اعتبار سے وہ کتنے ہی اونچے درجے پر فائز ہوں، اسی لئے غافل دل رکھنے والوں کی بات ماننے سے روک دیا گیا اور اس کے مقابلہ میں جن کے دل اللہ کی یاد سے معمور رہتے ہیں ان کی صحبتِ بابرکت میں اپنے آپ کو بسائے رکھنے کی تعلیم دی گئی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے تو آپ کی اُمت کے ہر فرد کو بدرجۂ اولیٰ

اس پر عمل کرنا چاہئے۔

اللہ کا ذکر کرنے والوں اور اس کی فرمانبرداری واطاعت میں جینے والوں کی صحبت میں رہنا اپنے ایمان کی بقاء وحفاظت کا ذریعہ ہے اور اللہ سے غافل لوگوں کی صحبت آدمی کے دین کو کھوکھلا کرسکتی ہے، **"اللھم احفظنا من الغافلین"**

قرآن مجید میں آپ ﷺ کے دل کا تذکرہ

جب مکہ کے مشرکوں نے آپ ﷺ پر طرح طرح کے اعتراضات کیئے تو ان اعتراضات کا جواب آپ ﷺ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے موقع بموقع دیا ہے، چنانچہ انہی اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ مکہ کے مشرکین یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید آپ ﷺ پر کیوں بالتدریج (تھوڑا تھوڑا کرکے) نازل ہوتا ہے ایسا کیوں نازل نہیں ہوتا کہ پورا قرآن مجید ایک ہی وقت میں اُتار دیا جائے، ان جاہلوں کو یہ کہاں معلوم تھا کہ آپ ﷺ پر تھوڑا تھوڑا قرآن مجید اُتارنے میں کیا حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں، چنانچہ سورۂ فرقان کی آیت نمبر ﴿۳۲﴾ میں یہ اعتراض جواب کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

وقال الذین کفروا لو لا نزل علیه القرآن جملة واحدة کذالک لنثبت به فوادک ورتلنه ترتیلا O

اور کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پیغمبر پر (یہ قرآن) ایک ہی دفعہ کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ جواب دیا گیا کہ اس طرح تدریجاً اس لئے ہم نے نازل کیا ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ آپ کے دل کو قوی رکھیں اور اسی لئے ہم نے اس کو بہت ٹھہرا ٹھہرا کر اُتارا ہے، چنانچہ تیئیس سال کے عرصہ میں آہستہ آہستہ پورا ہوا۔

قرآن مجید کو بالتدریج نازل کرنے کی سب سے بڑی حکمت آپ ﷺ کے دل کو قوی کرنا ہے، تھوڑا تھوڑا قرآن نازل کرنے سے آپ ﷺ کے دل کی مضبوطی اس لئے ہوگی کہ اس میں قرآن مجید کا یاد کرنا آسان ہوگا، اگر پوری قرآن مجید ایک ساتھ نازل ہوتی تو ظاہر ہے کہ یاد

کرنا اور یاد رکھنا مشکل ہوتا۔

چونکہ خاص خاص موقع پر قرآن مجید نازل ہوتا رہا اس سے آپ ﷺ کو موقع بموقع تسلی ہوتی رہی ، اگر ایک ہی مرتبہ قرآن مجید نازل ہوتا تو کسی خاص تسلی والے موقع پر تسلی والی آیتیں نازل نہ ہوتیں تو ظاہر ہے کہ اس وقت پریشانی کا سامنا ہوتا اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ موقع بموقع آیتوں کے نازل ہونے سے اس بات کا احساس زیادہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں اور یہ احساس دل کی تقویت کا ذریعہ بنتا ہے۔

بہرحال اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے دل کو قوی تر بنانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو بالتدریج نازل فرمایا، اگر مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کا سلسلہ جاری رکھیں اور آیات قرآنی دل میں اُترتے رہیں تو یقین کامل ہے کہ قرآن مجید کی ان مقدس آیات کی برکت سے ان کے دل بھی ثابت قدم رہیں اور مضبوط ہو جائیں، دلوں کی مضبوطی کیلئے اس سے زیادہ بہتر علاج کہاں مل سکتا ہے؟

اصحاب کہف کے دل کی مضبوطی

جب اللہ کے نیک بندے نیکی کا جذبہ لے کر حق کی آواز کو بلند کرنے کیلئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے پاکیزہ بندوں کی مدد اس طرح ہوتی ہے کہ ان کے دلوں کو مضبوط و مستحکم کر دیا جاتا ہے اور ان کے دلوں میں اللہ کی محبت، ہیبت اور عظمت اس طرح پیدا کر دی جاتی ہے کہ وہ حق کی تائید میں ہر مصیبت کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں اور اپنے سچے اور اچھے عقیدے کا دوٹوک انداز میں اعلان کر دیتے ہیں چنانچہ سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کا تذکرہ یوں فرمایا کہ:

وربطنا علی قلوبهم اذقاموا فقالوا ربنا رب السمٰوٰت والارض لن ندعوا من دونه الها لقد قلنا اذا شططا O (۱۴/الکهف)

ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے جبکہ وہ پختہ ہو کر کہنے لگے کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو

آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم تو اس کو چھوڑ کر کسی معبود کی عبادت نہ کریں گے کیونکہ اگر خدانخواستہ ہم نے ایسا کیا تو اس صورت میں ہم نے یقیناً بڑی بیجا بات کہی۔

واقعہ یہ ہوا کہ اصحاب کہف کو اپنے دربار میں حاضر کر کے اس وقت کے ظالم اور بت پرست بادشاہ نے ان کے ایمان لانے پر مواخذہ کیا اور دھمکی دی، وہ وقت اصحاب کہف کیلئے موت وحیات کی کشمکش کا تھا اور اصحاب کہف کی جان خطرہ میں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو ان کے مستحکم ایمان کی وجہ سے مضبوط کر دیا، پھر انہوں نے اپنے ایمان کا بلاخوف وخطر اعلان کیا اور کہہ دیا کہ ہم تو بس ایک ہی اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں۔

اس آیت ربانی سے یہ معلوم ہوا کہ دلوں کو مضبوط کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اس لئے بندۂ مومن کو چاہئے کہ وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہو اور اس کی طرف راغب ہو اور اسی سے مدد ونصرت کا طلب گار رہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل کی مضبوطی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت فرعون اور فرعونیوں کی طرف سے ہونے والے مظالم کی تفصیلات سے عوام وخواص واقف ہیں، تفصیلی واقعہ کی یقیناً حاجت نہیں کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور فرعون کی ظالم پولیس کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا اندیشہ اور خطرہ ان کی ماں کو لاحق ہوا تو وہ سخت بے چین اور بے قرار ہوئیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا کہ وہ اپنے بیٹے کو دودھ پلائیں اور جب گرفتاری کا اندیشہ ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال دیں اور اس بات پر غم اور خوف نہ کریں کہ آگے کیا ہوگا ہم موسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ لوٹا دیں گے اور ان کو پیغمبروں میں سے بنادیں گے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا میں ڈال دیا گیا بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل پہنچ گئے، اِدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں ڈر پیدا ہوا اور وہ بے قرار ہوگئیں۔ اس بے قراری کی وجہ سے قریب تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سارا قصہ سب کو بتلا دیتیں اور وہ راز فاش ہو جاتا اس

وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل کو اللہ تعالیٰ ہی نے مضبوط کر دیا چنانچہ اسی واقعہ کو سورۂ قصص کی ابتدائی آیات میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے جس میں اس بات کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ۔

واصبح فوادام موسیٰ فرغًا ان کادت لتبدی به لولا ان ربطنا علی قلبها لتکون من المومنین O (۱۰/القصص)

اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا قریب تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا حال سب پر ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے رہیں کہ یہ ہمارے وعدے پر یقین کئے بیٹھی رہیں۔

یہ واقعات ہم سب کیلئے سبق آموز ہیں کہ ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکامات پر عمل کریں تاکہ اس اطاعت کے نتیجہ میں ہمارے دل مضبوط ہوں اور ہم اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہیں۔

ایک سینہ میں ایک ہی دل

زمانۂ جاہلیت میں عرب کے لوگ ایسے شخص کو جو زیادہ ذہین ہو یہ کہا کرتے تھے کہ اس کے سینے میں دو دل ہیں، حالانکہ یہ خیال حقیقت کے خلاف ہے اس لئے کہ یہ بات طبی لحاظ سے بھی باطل ہے کہ کسی انسان کے سینہ میں دو دل ہوں، ہر شخص کے سینہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دل رکھا ہے، چونکہ عرب کے لوگوں کا یہ خیال تھا اس لئے قرآن مجید نے اس خیال کو باطل قرار دیا چنانچہ سورۂ احزاب کی آیت نمبر ﴿۴﴾ میں فرمایا گیا کہ:

ما جعل اللّٰہ لرجل من قلبین فی جوفه O

اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے۔

انسانی جسم کی سلامتی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کے سینہ میں غور و فکر کرنے اور فیصلہ کرنے والا ایک ہی دل ہو، اس لئے کہ اگر ایک انسان میں دو دل جمع ہو جائیں اور دونوں دل الگ

الگ فیصلے کرنے لگیں تو ظاہر ہے کہ انسانی جسم کس کے فیصلہ کو تسلیم کرے گا؟ ایسی صورت میں انسان کا جینا دو بھر ہو جائے گا۔ ایک دل کہے گا کہ سونا ہے اور دوسرا دل کہے گا کہ نہیں! اب جاگنا ہے، ظاہر ہے کہ ان دو دلوں کے فیصلوں کی کشمکش میں انسانی جسم چکی کے دو پاٹوں میں پس جائے گا، اور انسان راحت و آرام، سلامتی و امن سے محروم ہو جائے گا۔

دل کے اِرادہ سے جو گناہ ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کا بندہ مجرم اس وقت قرار دیا جاتا ہے جب کہ وہ دل کے اِرادہ سے (عمداً) کوئی گناہ کرے، بھول چوک سے جو گناہ سرزد ہو جاتے ہیں یا زبان سے جو باتیں نکل جاتی ہیں وہ تو قابلِ مواخذہ و محاسبہ نہیں ہوتیں، وہی اعمال و اقوال قابل مواخذہ ہوتے ہیں جو دل کے اِرادہ سے ہوتے ہیں، اور یہ سچی توبہ سے معاف کر دیئے جاتے ہیں، چنانچہ اسی زرین اصول کو قرآن مجید کی اس آیت میں پیش کیا گیا ہے جس کا تعلق متبنیٰ بیٹے سے ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں ایک رسم یہ تھی کہ ایک آدمی کسی دوسرے کے بیٹے کو اپنا متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنا لیتا تھا اور جو اس طرح بیٹا بناتا یہ لڑکا اسی کا بیٹا مشہور ہو جاتا اور اسی کا بیٹا کہہ کر پکارا جاتا تھا اور ان کے نزدیک یہ منہ بولا بیٹا تمام احکام میں اصلی بیٹے کی طرح مانا جاتا تھا۔

قرآن مجید نے اس سلسلہ میں رہنمائی فرمائی اور فرمایا کہ:

وما جعل ادعیاء کم ابناء کم O

تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنا دیا یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے جو غلط ہے واقع کے مطابق نہیں، پھر حکم دیا گیا کہ منہ بولے بیٹے کو جب پکارو یا اس کا ذکر کرو تو اس کے اصلی باپ کی طرف منسوب کر کے ذکر کرو اور جس نے بیٹا بنا لیا ہے اس کا بیٹا کہہ کر خطاب نہ کرو کیونکہ اس سے بہت سے معاملات میں شبہ پیدا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے، حضرت زید بن حارثہؓ کو اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے زید بن محمد کہا جاتا تھا،

اس لئے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کے منہ بولے بیٹے تھے، پھر جب آیت نازل ہوئی تو یہ عادت چھوڑ دی گئی۔

اس کے بعد قرآن مجید میں ایک اصول بیان کیا گیا یہی اصول ہمارے مضمون سے متعلق ہے۔

ولیس علیکم جناح فیما اخطاتم به ولکن ماتعمدت قلوبکم وکان اللّٰہ غفورا رحیماً O

اورتم کو اس معاملہ میں جو بھول چوک ہوجائے تو اس سے تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا لیکن ہاں! جو دل سے اِرادہ کرکے کہو تو اس سے گناہ ہوگا اوراس سے بھی معافی مانگ لو تو معاف ہوجائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ گناہ اسی وقت گناہ ہوگا جب کہ وہ دل کے اِرادہ سے ہو، جب غلطی سے یا بھول چوک کی وجہ سے کوئی گناہ یا خلافِ اصول عمل یا قول سرزد ہوجائے تو وہ عنداللہ قابل مواخذہ وگرفت نہیں ہوگا، ہاں! اگر دل کے اِرادہ سے کیا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ گناہ ہوگا جو سچی توبہ کے بعد ہی معاف ہوسکے گا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دل کی اہمیت کس قدر ہے؟

رسولِ اکرم ﷺ کے دل پر قرآن مجید کا نزول

وہ قرآن مجید جو تا قیام قیامت سارے انسانوں کی صلاح وفلاح اور ہدایت ورہنمائی کیلئے نازل کی گئی اس کے نزول کا مرکز جس کو بنایا گیا وہ دل ہی ہے، وہ دل دنیا کے تمام دلوں سے زیادہ پاکیزہ، صاف وشفاف، کامل ومکمل اور ہر نقص سے پاک دل ہے، یعنی حضور ﷺ کا دلِ مبارک جس کو قرآن مجید کے نزول کا مرکز بنایا گیا، چنانچہ قرآن مجید میں بارہا یہ بات بتلائی گئی ہے کہ قرآن مجید آپ ﷺ کے قلب مبارک پر اتاری گئی چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ﴿۹۸﴾ میں یوں فرمایا گیا۔

قل من کان عدوا لجبریل فانه نزله علی قلبک باذن اللّٰہ O

آپ کہہ دیجئے کہ جو کوئی ہو دشمن جبرئیل کا پس جبرئیل نے تو اتارا ہے یہ کلام آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ بعض یہود نے آپ ﷺ سے یہ سن کر کہ جبرئیل وحی لاتے ہیں یہ کہا تھا کہ ہماری تو جبرئیل سے دشمنی ہے اس لئے کہ وہ مشکل احکامات ہم پر لے آتے ہیں، اس کے مقابلہ میں میکائیل اچھے ہیں کہ وہ تو بارش اور رحمت لے آتے ہیں اگر میکائیل وحی لے آتے تو ہم ضرور مان لیتے ، یہود کے اس بیجا اعتراض پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے محمد ﷺ ! آپ ان سے یہ کہئے کہ جو شخص جبرئیل سے عداوت و دشمنی رکھے وہ جانے لیکن اس بات کو قرآن کے نہ ماننے میں کیا دخل ہے؟ کیونکہ اس میں تو جبرئیل ایک سفیر کی طرح ہیں کہ انہوں نے یہ قرآن پاک آپ کے دل تک اللہ کے حکم سے پہنچا دیا ہے۔

بہر حال اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کا نزول بالراست آپ کے دل پر ہوا ہے، اس سے دل کی اہمیت کو سمجھا جا سکتا ہے، تمام اعضاء کے مقابلہ میں نزولِ قرآن کیلئے دل کا انتخاب اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دل تمام اعضاء میں ایک ممتاز عضو ہے بلکہ تمام اعضا کا سردار ہے، سورۂ شعراء کی آیت ﴿۱۹۴﴾ میں بھی یہ بات بتلائی گئی کہ:

وانه لتنزيل رب العالمين نزل به الروح الامين على قلبك لتكون من المنذرين

اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں تا کہ آپ منجملہ ڈرانے والوں کے ہو جائیں۔

اس آیت سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ نزول قرآن آپ ﷺ کے قلبِ اطہر پر ہوا ہے۔

اور آپ ﷺ کا قلبِ اطہر وہ ممتاز قلب ہے جو بے مثال و بے نظیر ہے اس لئے کہ اس کی صفائی بطور خاص کی گئی جیسا کہ شق صدر کے واقعہ سے ظاہر ہے۔

دل کی سختی نہیں نرمی مطلوب ہے

اسلامی تعلیمات کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کو نرم رکھے اور سخت دلی سے اپنے آپ کو بچائے رکھے۔ دل کی نرمی انسان کے بلند اخلاق ہونے اور دل کی سختی انسان کے بد اخلاق ہونے کی علامت ہے، آپ ﷺ جیسا نرم دل نہ دنیا نے کسی کو دیکھا ہے اور نہ دنیا آئندہ ایسا نرم دل انسان دیکھ سکے گی، آپ ﷺ کی نرم دلی کا تذکرہ قرآن مجید نے کیا ہے۔

چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ﴿۱۵۹﴾ میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

فبما رحمة من اللّٰہ لنت لهم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لا انفضوا من حولک فاعف عنهم و استغفر لهم وشاورهم فی الامر O

بعد اس کے اللہ ہی کی رحمت کے سبب آپ ﷺ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تندخو سخت مزاج ہوتے تو یہ بیچارے آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے۔ آپ ان کو معاف کر دیجئے اور آپ ان کیلئے استغفار کیجئے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے۔

جس شخص کا دل نرم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، **ان اللّٰہ رفیق یحب الرفق ویعطی علی الرفق مالا یعطی علی العنف وما لا یعطی علی ماسواہ** اللہ تعالیٰ نرمی کا معاملہ کرنے والے ہیں اور نرمی کے معاملہ کو پسند فرماتے ہیں اور نرم خوئی پر وہ اجر عطا فرماتے ہیں جو سختی پر نہیں دیتے بلکہ کسی اور چیز پر بھی نہیں دیتے۔

دلوں کی بات کون جانتا ہے؟

یہ اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان ہے کہ اس نے انسانوں کے دلوں کی بات کو پوشیدہ رکھا ہے، جس طرح زبان سے نکلنے والی ہر بات سے دوسرا واقف ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر دل میں آنے والی باتوں کو ہر دوسرا شخص واقف ہوتا تو انسان کے کتنے عیوب و نقائص ظاہر ہو جاتے اور راز کی کتنی باتیں باہر ہو جاتیں، یہ اس ستار العیوب کا احسان و انعام ہے کہ اس نے دل کا دستور ہی ایسا بنا دیا کہ انسان اگر چاہے تو اس کے دل کی بات دل ہی میں رہ جائے، اس حقیقت کے باوجود کہ انسان کے دل میں آنے والی بات کو دوسرا کوئی نہیں جانتا جب تک کہ وہ خود بتلا نہ دے، لیکن انسان کے دل میں آنے والی ہر بات کو وہ رب ذوالجلال تو ضرور جانتا ہے جس نے انسان کو پیدا کیا۔

دلوں میں جتنی باتیں آتی ہیں، دلوں میں جتنے وسوسے اور خیالات پیدا ہوتے ہیں، دلوں میں جتنی راز کی باتیں دفن رہتی ہیں، دلوں میں جتنے فیصلے ہوتے ہیں ان تمام خیالات، وساوس، فیصلوں اور باتوں سے اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہیں، قرآن مجید میں اس حقیقت کو جگہ جگہ بیان کیا گیا ہے، چنانچہ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ﴿۷﴾ میں اللہ تعالیٰ

کی نعمتوں کے تذکرہ کے بعد کہا گیا کہ:

واتقوا اللہ ان اللہ علیم بذات الصدور O

اور ڈرتے رہو اللہ سے اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات کو۔

بندۂ مومن چاہے خلوت میں ہو یا جلوت میں، کوئی بات کہے یا کوئی کام کرے، دل میں اچھی بات لائے یا بُری بات، دل میں اچھے فیصلے قائم کرے یا بُرے، یہ یقین رہنا چاہئے کہ میری خلوت وجلوت کے اعمال واقوال کو اور میرے دل کی ہر حالت کو میرا حقیقی رب جانتا ہے، اور وہ مختار کل ہے جو چاہے کرے۔

مقصدِ بعثت میں دل کی پاکیزگی بھی ہے

دین اسلام نے باطن کی صفائی اور دل و دماغ کی پاکیزگی کا بڑی تاکید سے حکم دیا اور اس کا اہتمام کیا ہے چنانچہ آپ ﷺ کو نبی بنا کر بھیجے جانے کا مقصد قرآن مجید میں جہاں بیان کیا گیا ہے اس میں دل و دماغ کی پاکیزگی بھی ہے۔

چنانچہ سورۃ اٰل عمران کی آیت نمبر ﴿۱۶۴﴾ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کے مقاصد بیان فرمائے ہیں۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم اٰیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین

حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا جب کہ ان میں انہی میں سے ایک ایسے عظیم الشان پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور احکام پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ظاہری اور باطنی گندگیوں سے ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب الٰہی اور سمجھ کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ آپ ﷺ کی بعثت کے قبل سے صریح غلطی میں مبتلا تھے، اس آیت میں جن مقاصد بعثت یا رسول اکرم ﷺ کی زندگی کے وظائف کا تذکرہ ہے، ان میں ایک مقصد اور وظیفہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ تزکیہ کرتے ہیں۔

قرآن کی اصطلاح میں باطن کی صفائی اور دل و دماغ کی پاکیزگی کو تزکیہ کہتے ہیں۔

بادشاہ لوگ جسموں پر محنت کرتے ہیں اس لئے ان کی سلطنت کی حد رعایا کے جسموں اور بدنوں تک محدود ہوتی ہے جبکہ انبیا کرام علیہم السلام دلوں پر محنت کرتے ہیں اور انہیں گندے عقائد اور خیالات سے پاک کرتے ہیں اس لئے کہ جب کسی کا دل پاک ہوجاتا ہے تو اس کا سارا جسم بھی پاک ہوجاتا ہے، اور جب دل ہی پاک نہ ہوتو سارے جسم میں اور جسم سے صادر ہونے والے سارے اعمال میں بھی بگاڑ، فساد اور گندگی ظاہر ہوگی، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہوجائے تو سارا جسم درست ہوجاتا ہے اگر وہ فاسد ہوجائے تو سارا جسم فاسد ہوجاتا ہے، اور وہ دل ہے۔

دنیا کے لیڈر اور قانون ساز ظاہر کو سنوارنے میں اس قدر مست اور محو ہوتے ہیں کہ انہیں اس بات کا موقع ہی نہیں ملتا کہ وہ باطن کی گندگی کو محسوس کریں، اور اس سے نجات حاصل کریں، ظاہر کو قانون کے شکنجے میں جکڑنے والے قانون ساز نت نئے قانون بناتے ہیں تاکہ دنیا جرائم سے پاک ہوجائے، لیکن دنیا جانتی ہے کہ ان قوانین سے جرائم میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوتا ہے، ان کے برعکس انبیاء کرام اپنی زیادہ تر توجہ باطن کی درستگی پر لگاتے ہیں کیوں؟ اس لئے کہ جب دل بدل جاتا ہے تو سب کچھ بدل جاتا ہے، دل درست ہوجاتا ہے تو گفتار و رفتار درست ہوجاتے ہیں، دل پاک ہوجاتا ہے تو خلوت و جلوت کے اعمال پاک ہوجاتے ہیں دل کی صفائی ہوجاتی ہے تو معاشرہ صاف ستھرا ہوجاتا ہے۔ دل صاف ہوتا ہے تو آپسی معاملات بے داغ ہوجاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ سے نسبت رکھنے والے ہر اُمتی کی فکر اس طرف ہوکہ اس کا دل پاک ہوجائے اس کی دل کی دنیا میں کسی بھی قسم کی گندگی نہ ہو، اس کا دل نرم ہو، پاکیزہ ہو، صاف و شفاف ہو، ہر قسم کے کینہ، بغض، حسد، لالچ اور بُری نیتوں سے پاک ہو۔

جن کا دل پاک ہوجاتا ہے اور ان کے دل میں اللہ کا خوف اور آخرت کے محاسبہ و مواخذہ کی فکر پیدا ہوجاتی ہے، ایسے لوگ نہ کسی کا مال ناجائز طریقہ سے لیں گے اور نہ کسی کو اپنی زبان سے تکلیف دیں گے، ایسے پاکیزہ دلوں کے حامل انسانوں سے سوائے خیر

کے اور کوئی توقع نہیں کی جاسکتی۔

دل کی صفائی میں لاپرواہی کیوں؟

موجودہ ماڈرن زمانہ میں تقریباً ہر شخص کو دیکھا جارہا ہے کہ وہ ظاہری پاکیزگی کا پورا پورا خیال رکھتا ہے، آج ہر شخص جسم کی صفائی میں اتنا آگے ہے کہ روزانہ غسل کرتا ہے اور کسی دن غسل نہ کرنا باعثِ عار سمجھا جاتا ہے، کپڑوں کی صفائی کا اس قدر لحاظ کہ کوئی چھوٹا سا دھبہ بھی لگ جائے تو کپڑے فوراً تبدیل کرلیں، سواری اس قدر صاف ستھری کہ محلّہ سے گذریں تو ہر ایک اس کی صفائی پر تعریف کے پل باندھنے لگ جائیں، گھر کی صفائی کا اس قدر خیال کہ کسی جگہ کوڑا کرکٹ نظر آجائے تو گھر میں ہنگامہ کھڑا کردے، دیواروں اور چھتوں پر مکڑی کا جالا نظر آجائے تو غصہ سے بے قابو ہوجائے، بہرحال ہر چیز کی پاکی صفائی کا صد فی صد خیال ہے لیکن جس دل کی صفائی کا خیال سب سے پہلے ہونا چاہئے تھا اس کا عمر بھر خیال نہیں ہوتا، برسوں گذر جاتے ہیں، جوانی ہاتھ سے نکل جاتی ہے، بڑھاپے کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں ابھی تک اس قدر ہوش نہیں آیا اور نہ احساس پیدا ہوا کہ اپنے دل کی پاکی کا اہتمام کیا جائے جس کی پاکیزگی سے سارے اعضاء انسانی اور اس کی ساری زندگی پاک ہوجائے۔

آج مادہ پرست انسانوں کو اتنی فرصت ہی کہاں ہے کہ وہ دل کی دنیا میں موجود گندگیوں کی صفائی کا اہتمام کریں، جس دل میں ایمان بستا ہے، جس دل میں اللہ کی محبت بستی ہے اور جس دل میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت مقام پاتی ہے اس دل کو اگر گندہ رکھا جائے اور اسی گندے دل میں ایمان جیسی پاکیزہ مقدس چیز داخل ہوجائے، کیا یہ ایمان کی تحقیر نہیں ہے؟

جب کوئی دودھ لے آتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی برتن میں دودھ ڈالے تو دودھ ڈالنے سے پہلے برتن صاف کرلیتا ہے، ہائے افسوس! برتن میں دودھ ڈالنے سے پہلے برتن کی صفائی کا خیال تو آیا لیکن دل میں ایمان، محبتِ الٰہی اور عظمت رسول داخل کرتے ہوئے یہ خیال نہیں آیا کہ اس دل میں کتنی سڑی ہوئی چیزیں موجود ہیں، غرور، گھمنڈ، لالچ، حرص، کینہ، حسد، بغض، عداوت اور اس جیسی ہزاروں

گندگیاں دل میں ابھی موجود ہیں اوراسی گندے دل میں ایمان کے ہونے کا اعتراف بھی ہے۔

جس طرح برتن میں دودھ ڈالنے سے پہلے برتن کی صفائی کرلی جاتی ہے اسی طرح سب سے پہلے اس بات کی فکر ہونی چاہیئے کہ دل صاف ہوجائے، اس بات پرغور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے جس عظیم ہستی کو نبی بنانے کا اِرادہ فرمایا اور نبوت کا بوجھ جس کے کاندھے پر ڈالے جانے کا فیصلہ ہوا اللہ کے کلام کے نزول کا فیصلہ جس کے بارے میں ہوا اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا کرنے سے پہلے اور وحی کے نازل کرنے سے پہلے اس عظیم ذات کے دل کوفرشتوں کے ذریعہ پاک کیا۔سیرت کی کتابوں نے اس واقعہ کوشق صدر سے تعبیر کیا ہے۔

دل جب سنورتا ہےتو صاحبِ دل سنور جاتا ہے،شاعر نے اسی بات کو یوں کہا......

دل کے بگاڑ ہی سے بگڑتا ہے آدمی
اور جس نے اسے سنوار دیا وہ سنور گیا